U13090 3-12-

Title – KALAAM SHAAD (Part-1). MAY MAQADDAMA.

Creator – Sayyed Ali Mohd. Shaad Azeem Abadi

Publisher – Matba Jamia Milliya (Aligarh).

Date – 1341 H

Pages – 5+160

Subject – Urdu Shayari – Dawaween – Shaad Azeem Abadi; Shaad Azeem Abadi Sawaneh-O-Tanqeed

کلام شاد
حصہ اوّل
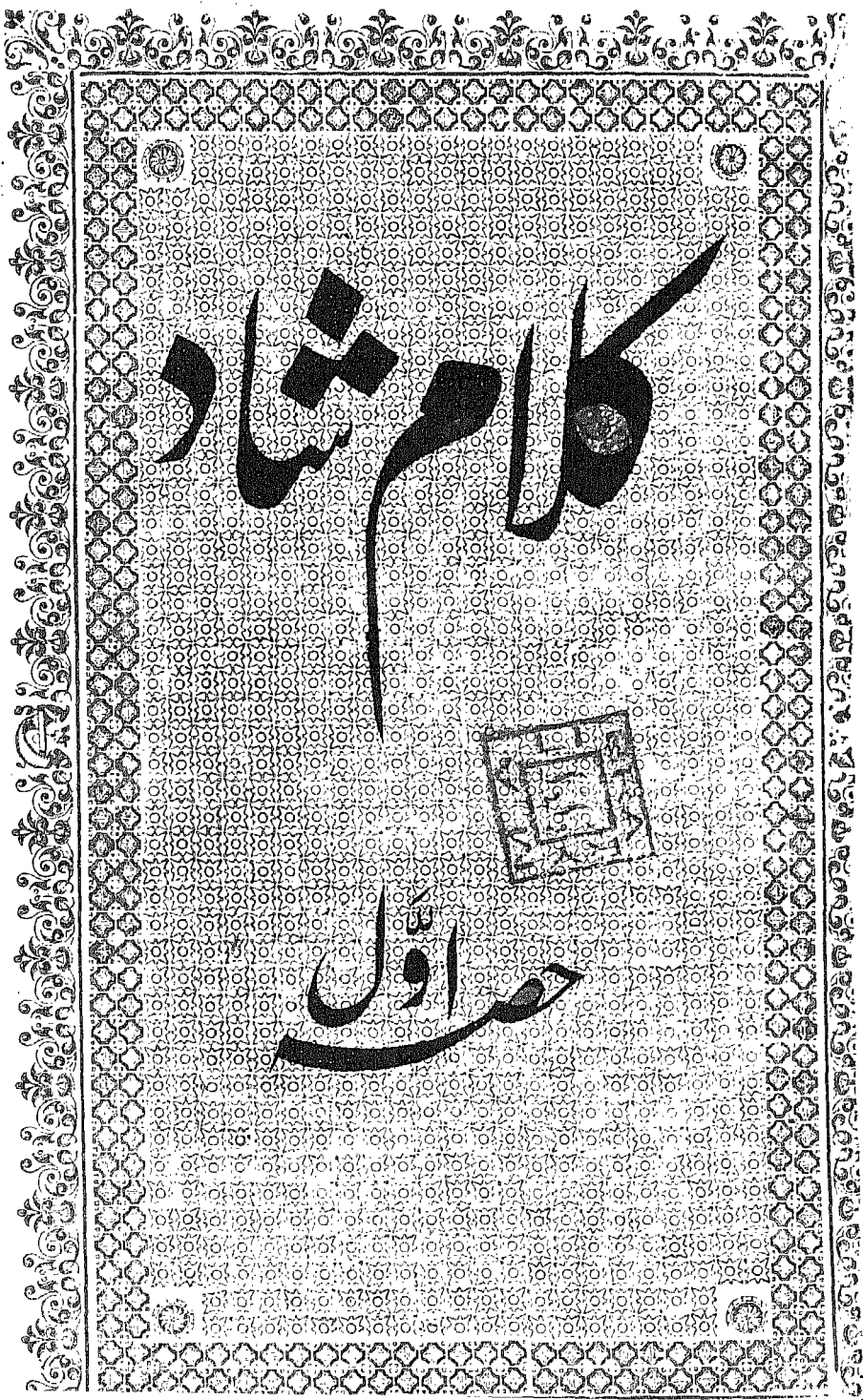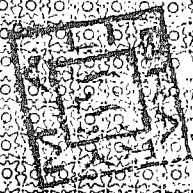
سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو پٹنہ

کلام شاد

حصۂ اوّل

مصنفہ

مولانا سیّد علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی

مع مقدمہ

از

مولانا سیّد سلیمان صاحب ندوی

باہتمام عبد العلی خاں صاحب

در مطبع جامعہ ملیہ علیگڑھ طبع شد

[illegible]

طبع اول
۵۰۰

قیمت قسم اول [illegible]
،، ،، دوم [illegible]

Preface

مقدمہ

از سید سلیمان ندوی

پٹنہ عظیم آباد ۔ ہندوستان کے اُن قدیم شہروں میں سے ہے جو کئی ہزار برس سے علم و ہنر کا مرکز رہا ہے ابتدا سے عہد تاریخ کو چھوڑ کر صرف آخری صدیوں کو لیجئے کہ ہر دور میں اس کی خاک سے سینکڑوں ہزاروں ارباب کمال اُٹھے جن کی شہرت کا افسانہ اب تک تاریخ کا عنوان بنا ہے ۔ علم و ہنر کے لاتعداد انواع و صنوف میں سے اگر صرف ایک شعر و سخن ہی کے شعبہ کو لیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ شہر ہندوستان کے اُن شہروں میں سے ہے جس کی مردم خیزی پر ہمارے ادبیات کو ناز ہے ۔

صغیر بلگرامی نے اپنے تذکرہ جلوۂ خضر میں غلط نہیں لکھا ہے کہ دلّی اور لکھنؤ کے بعد یہ شہر اردو کا تیسرا مرکز ہے ۔ خصوصاً جب آخری زمانہ میں دلّی ویران ہوئی اور صوبوں میں خودمختاریاں پھیلیں تو لکھنؤ کے بعد یہ دوسرا مرکز آباد ہوا ۔ اور اُس کے بعد تیسرا مرکز مرشد آباد تھا ۔ جو ارباب کمال قدردانیوں کی تلاش میں دلّی سے نکلتے تھے ۔ ان کی پہلی منزل لکھنؤ، دوسری عظیم آباد اور تیسری مرشد آباد ہوتی تھی ۔ اِس لئے اودھ کے پایۂ تخت سے لیکر بنگال کی مسند گاہ تک کملائے عہد اور فضلائے روزگار کا قافلہ ایک مدت تک آتا جاتا رہا ۔

دلّی کی تباہی کے بعد جسطرح لکھنؤ میں نوابی قایم ہوئی بہار و بنگال نے بھی اسکی نقل کی ۔ اور آخر میں بنگال کی نظامت سے الگ ہو کر یہ صوبہ ایک مستقل سلطنت کی صورت

میں منتقل ہوگیا۔ گو انگریزوں کے پُرزور اقتدار کے باعث اس کا بہت جلد خاتمہ ہوگیا۔ اس خود مختارانہ عہد حکومت کا بانی راجہ شتاب رائے کا خاندان تھا۔ راجہ اور اس کا تمام خاندان اس عہد کی مروجہ تعلیم و تربیت میں بے نظیر تھا۔ اور مذہب کو چھوڑ کر اِ مکا تمام طور طریق اور طرز تمدن سب اسلامی تھا۔ درباروں میں اوسی طرح مسندیں بچھتی تھیں۔ ارباب کمال آتے تھے اور اپنے اپنے کمال کی داد پاتے تھے۔ اس عہد کا سب سے بڑا علمی مشغلہ شاعری تھا۔ راجہ خود بھی شاعر تھا اور شتاب تخلص کرتا تھا اور شعراء کا مربّی اور سرپرست تھا۔

راجہ شتاب رائے کے علاوہ جو صوبہ دار آتے وہ بھی مرکزی کمزوری کے باعث اپنی ایک مستقل شان رکھتے تھے اور اس عہد کے لوازم دربار کے مطابق شعر و سخن کی سرپرستی اور قدردانی میں بھی حوصلہ دکھاتے تھے۔ بہرام جنگ، مظفر جنگ، سید ہدایت علی خاں وغیرہ صوبہ داران پٹنہ نے بھی اپنے بعد اپنی علمی قدردانی کے کارنامے یادگار چھوڑے ہیں۔

اس علمی مرکز کے قدیم سخنوروں میں ایسے بزرگوں کے نام ملتے ہیں جو ولی دکنی، میر و سودا اور مرزا مظہر، خواجہ میر درد کے ہم پہلو تھے۔ ملا محمد علیم تحقیق، عبدالقادر بیدل، اشرف خاں فغاں، سید محمد شاہ کرباجی، خواجہ امین الدین امین، جبار علی بسمل، محمد روشن جوشش، ہیبت علی خاں حسرت، شیخ محمد عابد دل، میر غلام حسین شورش، مرزا مظہر علی جذب، شیخ غلام یحییٰ حضور، میر محمد تسلیم اور شیخ غلام علی راسخ وغیرہ ایسے سخنوران یہاں گذرے ہیں جن کی محنتوں اور کاوشوں سے اردو زبان نے ترقی پائی ہے۔ تحقیق اور کرباجی ولی کے قریب العصر اور راسخ میر کے ہم عہد اور اُن کے پیرو تھے جوشش خواجہ میر درد کے متبع تھے۔ اور حسرت کو مرزا مظہر سے تلمذ تھا۔ ان مسلمان شعراء کے پہلو بہ پہلو راجہ شتاب رائے، راجہ بہادر راجہ اور راجہ پیارے لعل الفتی کے نام لینے چاہئیں جن کی سرپرستی سخن سنجی،

اور سخن فہمی نے عظیم آباد کو لکھنؤ بنا دیا تھا۔

اس کے بعد جو دور آیا گو ہوا کا رخ بدل چکا تھا اور انقلاب حکومت کے طمانچہ نے زمانہ کا رخ پھیر دیا تھا۔ دلونکے اگلے جوش اور ولولے سرد پڑ گئے تھے محفلیں برہم ہو گئی تھیں اور بساطیں الٹ چکی تھیں تاہم سیلاب کے تھمنے کے بعد بھی کچھ دیر تک دریا کی موجیں اچھلتی رہتی ہیں پیرگونکے فیض دیدار سے منور آنکھیں اس شہر میں موجود تھیں مرزا احمد منشا، میر ذبیح، ملا احمد، راجہ پیارے لال الفتی، سید شاہ الفت حسین فریاد وغیرہ نے نئی بزم آراستہ اور نئی شمع روشن کی۔

شاہ الفت حسین فریاد عظیم آبادی اپنے عہد کے ایک باکمال صاحب ہنر تھے۔ گو وطن عظیم آباد تھا مگر سرکاری توسل سے عمر کا بڑا حصہ مرشد آباد اور کلکتہ میں گذرا۔ نظامت بنگال کی طرف سے سفارت و نیابت کے عہدہ پر ممتاز تھے غرض علم و اقبال دونوں دربار میں انکی کرسی کھینچی تھی۔ عہد کے مذاق کے مطابق فارسی اور اردو دونوں میں داد سخن دیتے تھے۔ شاہ صاحب کی آغوش تربیت میں بہار و بنگال کے سینکڑوں سخنور پلکر جوان ہوئے مثلاً خواجہ شہرت، اصغر حسن کامل، عبدالرؤف وحید، معین الدین اذلی، میر رحیم وغیرہ۔ مگر خاص شہر عظیم آباد جو دو نونہال اس بہار سخن کے فیض سے بابرگ و بار ہوئے اور جو بحمد اللہ کہ ابتک یادگار سلف باقی ہیں وہ نواب سید امداد امام صاحب اثر اور مولانا سید علی محمد صاحب شاد ہیں۔ یہ دونوں باکمال آج ملک میں گو انکے نام روشن رکھنے والے یعنی عہد ماضی کے چراغ ہیں۔ مولانا شاد کی عمر اب اسی کے قریب ہے۔ بیسویں مرحلہ عمر سے انکی شاعری کا آغاز ہوتا ہے، گویا ساٹھ برس انکی شاعری کی عمر ہے۔ آج ہندوستان کے کسی گوشہ میں کسی ایسے باکمال سخنور کا نشان دو جس نے ساٹھ برس کا ریاض کیا ہو اور کہنہ مشقی کا نمونہ پیش کر سکتا ہو۔ شصت سالہ عہد سخنوری میں اس باکمال نے کیا کیا خون جگر نہ پیا ہوگا کہ شعر و سخن کے یہ لعل و عقیق و سنے اگلے اور کیا کیا آنسو نہ بہائے ہونگے جب اس فضل و کمال کے در و گوہر ہاتھ آئے۔ اسوقت تک جو سرمایہ سخن منتشر اوراق کی صورت میں ہے اسکا اندازہ ایک لاکھ سے کم نہیں۔ پھر اسمیں بھی قصائد، مثنویات، غزلیات قطعے، رباعیات اور افراد سب کچھ ہیں۔ ایسے وسیع سرمایہ کو پیش نظر رکھکر یہ پونے دو سو صفحوں کا غیر منتخب دیوان غزلیات کو دیکھکر افسوس آتا ہے کہ جواہر سخن کے بیشمار انبار میں سے صرف یہ چند دانے قدردانان شاد کے دامن شوق میں آ سکے بہرحال ان چند دانوں سے شاد کی اصلی دولت

کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ اساتذۂ عصر میں شاید حضرت شاد کا ہمعصر کوئی دوسرا نکل سکے جس نے ہماری محفل ادب کا پچھلا سماں دیکھا ہو، استادان کہن کی صحبت اٹھائی ہو اور ایک ایک شعر ایک ایک مصرعہ کی بندش اور ایک ایک لفظ اور محاورہ کی تلاش میں خواب و خور اپنے اوپر حرام کر لیا ہو۔ شاد کا خاندان دلّی سے عظیم آباد آیا تھا۔

لیکن اونکی صحبت اور اونکا تعلق زیادہ تر لکھنؤ کے ارباب کمال سے رہا تاہم یہ امر تعجب انگیز ہے کہ انکی شاعری پر لکھنؤ سے بہت زیادہ دلی کا رنگ نمایاں ہے۔ اون کے کلام میں کہیں کہیں لکھنؤ والوں کی صنایع بدایع کا نمونہ بھی ملجاتا ہے مگر شاعری کا مذاق مضامین معانی، خیالات، سنجیدگی، متانت ہر چیز دلی کا پتہ دیتی ہے۔ اسکے ساتھ جو چیز شعرائے لکھنؤ کی اون میں نظر آتی ہے۔ وہ الفاظ کی صحت محاورات کا تتبع فارسی ترکیبوں کا اعتدال کے ساتھ استعمال ہے۔ اس طرح لفظی حیثیت سے ہم عظیم آباد کے حضرت شاد کو لکھنؤ کا اور معنوی حیثیت سے دلی کا کہینگے۔

شاد کی شاعری حسن و عشق کے عامیانہ اور سوقیانہ انداز بیان سے تمام تر پاک ہے۔ پاکبازانہ حسن و عشق، رزم و بزم کی دلکش روداد کے علاوہ انکی شاعری میں اخلاق، فلسفہ، تصوف اور توحید کا عنصر بہت زیادہ ہے۔ غزل گوئی کے لحاظ سے شاد میں میر کے بہت سے انداز پائے جاتے ہیں حسن و عشق کی داستان سرائی میں وہی سادگی اور متانت ہے۔ چھوٹے چھوٹے الفاظ میں سادہ ترکیبیں ہیں۔ بیان میں وہی رقت ہے۔ میر ہی کے اوزان و بحور ہیں۔ وہی انداز کلام ہے وہی فقیرانہ صدا ہے اس لئے شاد کو اس دور سخن کا میر کہا جائے تو بالکل بجا ہے۔ افسوس ہے کہ فرصت مفقود ورنہ شاد کے پورے دیوان پہ ایک نظر ڈالکر بہ تفصیل مثالوں سے روشن کرتا۔

جناب شاد کا یہ دیوان درحقیقت اون کے بلا انتخاب ان کے نامرتب کلام کا ایک مختصر مجموعہ ہے۔ ان کی شاعری کا کامل نمونہ نہیں ہے۔ مصنف نے اپنے ایک مفصل گرامی نامہ میں جو راقم حروف کے نام تھا اون تمام نقائص اور مصیبتوں کی داستان لکھی تھی جو اس مجموعہ کی ترتیب میں پیش آئیں۔ جن میں سے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ مصنف نے نظر ثانی کرانے اور ترمیم و اصلاح کے ان اشارات سے جو مصنف نے نظر در نظر کے بعد

کاغذوں کے حواشی اور اطراف میں وقتاً فوقتاً بنائے تھے، جامع اور مرتب اصحاب نے پہلوتہی کی اور یہ اصحاب اسکی معذرت پیش کرتے ہیں کہ اگر نظر ثانی اور اشارات و اصلاحات کے سمجھنے کے لئے یہ مجموعہ مصنف کے سپرد کیا جاتا تو ہماری محنت بھی اوسی طرح دریا برد ہوجاتی جسطرح اس سے پہلے خود مصنف کی کئی محنتیں اس باب میں نہایت احتیاط کی بنا پر غارت ہوچکی ہیں۔ بہرحال اس مجموعہ سے پہلے سید حسرت موہانی نے دیوان شاد کا جو مختصر انتخاب شائع کیا ہے۔ اس سے تو بہت زیادہ سرمایہ اس کاغذی خزانہ کے اندر ہے۔ خدا وہ دن لائے کہ جب حضرت شاد اپنا ضخیم کلیات خود مرتب کر کے قدردانوں کے ہاتھ میں دیں اسوقت اس پوربی شاعر کے فضل و کمال کا چراغ پورب سے پچھم تک کی دنیائے ہند کو منور اور روشن کردے گا۔

دارالمصنفین اعظم گڈھ

۱۰؍ شوال المکرم ۱۳۴۱ھ

کلید اشعارِ دلکش قفلِ معنیٰ ذہنِ انساں کا   انھیں شعروں سے کھل جاتا ہے ذوقِ اربابِ عرفاں کا

ریاضت کھول دے پردہ جو حسنِ پاکِ ایماں کا ۱ حقیقت کا مرقع ہر ورق ہو میرے دیواں کا

لہو کی جا فقط بیم و رجا کے داغ پائے گا ۲ کلیجہ چیر کر دیکھے کوئی اربابِ ایماں کا

قدم پر تولنے والے کے جھک جائیں بیچنے والے ۳ برابر بھی اگر رہ جائے پلہ تیری میزاں کا

اسیرانِ کہن گھبرا گئے طولِ اسیری سے   بجز صیاد کے دروازہ کھولے کون زنداں کا

نکلنا شرط ہے اس دام سے اے مرغِ جاں تیرا   بیک پرواز تو ہی تو ہے اور گوشہ گلستاں کا

مری طبعِ رسا اُس آستاں پر مجھکو پہونچا دے   نہ حاجب کا ہو ڈر جس آستاں پر اور نہ درباں کا

مضامیں کی بلاغت میں عبارت کی سلاست میں   رہے تابع مرا ذہنِ رسا آیاتِ قرآں کا

سبق توحید کا لیتا رہوں نہج البلاغت سے   صحیفہ راستہ مجھکو بتائے کوئے ایقاں کا

خود آکر خضر بھی گر منزلِ مقصود دکھلائیں   نہ چھوڑوں تا قیامت آستاں آبائے ذیشاں کا

مری بانگِ حجازی گونج جائے سارے عالم میں   گماں ہونے لگے ہر ریگِ صحرا پر حُدی خواں کا

مری غزلوں کو دیکھیں کیوں حقیقت بیں آنکھوں سے   تتبع ہے مجھے داؤد سے کامل غزل خواں کا

۲

خوشا وہ عہد جب ہو درس گاہِ شوق رونق پر ۔۔۔ ادب آموز اک طفل ہو اپنے دبستاں کا
زمانہ میں خدایا کان دے اِن آنکھ والوں کو ۔۔۔ نہیقِ خر کجا نغمہ کہاں مُرغِ خوش الحاں کا

خدا رکھے بتانِ خوبرو اے **شادؔ** اب بھی ہیں
کہاں ویسے جو توڑیں کفر مجھ سے نامسلماں کا

اے ازلی الوجود اے ابدی البقا ۔۔۔ بے ادبانہ نہ چل حلقۂ عبدیت میں آ
خالق و مخلوق تو مالک و مملوک تو ۔۔۔ ساجد و مسجود تو عُجب نہ کر سر جھکا
کعبۂ مقصود کا حج ترے اوپر ہے فرض ۔۔۔ وسعتِ دل ہے مِنا خونِ تمنا بہا
جان صداقت پہ دے صدق ہے فطرت تری ۔۔۔ زیست کی پروا نہ کر زیست ہے دامِ فنا
موردِ آفات رہ ظلم کا تابع نہ بن ۔۔۔ بھول نہ بھولے سے بھی واقعۂ کربلا
گلشن حق الیقین سامنے آنکھوں کے ہے ۔۔۔ چہرہ سے اپنے ہٹا پردۂ بیم و رجا
روزِ ازل خود کہا جوشِ طرب میں الست ۔۔۔ ہو گیا پھر کیوں خموش دے کے صدائے بلا
کلمۂ قالُوا کو تو صیغۂ غائب نہ جان ۔۔۔ جمع کو واحد سمجھ لفظ کا دھوکا نہ کھا
خاک کے پُتلے سنبھل خاک کا پتلا نہ بن ۔۔۔ تیری تو مسند ہے عرش خاک کجا تو کجا
خار بھی اس باغ کا اپنی جگہ پھول ہے ۔۔۔ شان سے تیری ہے دور خود کو سمجھنا ہوا
آنکھ سے اشکال دیکھ کان سے آواز سن ۔۔۔ کہہ کے پشیماں نہ ہو مطلبِ چون و چرا
فرشِ زمیں اے پسر ہے تری تعلیم گاہ ۔۔۔ جملہ شئونات کے معنی و مطلب لگا
تاکہ ہو عین الیقین پاک کثافات سے ۔۔۔ پیس یہاں تک کہ دل پس کے بنے سُرمہ سا

زندگی دائمی کی جو تجھے ہے تلاش ذات میں اپنی فنا ہو کے طلب کر بقا

شاد سخن کی تیرے قدر کوئی کیا کرے

ایسے جواہر ہیں یہ خلد ہے جن کی بہا

کوئی پہونچا نہ تا مقصود سبحان الذی اسرا کھلا آئینہ دار لو کشف پر سر ما اوحی

وہی پیدا ہے ایسا جس سے ہر ناپید پیدا ہے مسلّم ہے کہ ناپیدا سے کچھ ہوتا نہیں پیدا

بری حال و محل سے بھی ہے پھر سب میں وہی وہ ہے وہ ہے واحد شمار اعداد میں اُس کا نہیں اصلا

محیط کل کے معنی ظاہری گر لیں تو باطل ہے حدوں سے ہے مبرّا حد کے اندر آ نہیں سکتا

وجود اس کا ہے واجب عقل و وجدان اس پہ ہیں شاہد بجز اتنا سمجھنے کے نہ میں سمجھا نہ تو سمجھا

کوئی شی اُس سے باہر کب ہے ہر شی میں وہی وہ ہے اسی پر متفق دونوں ہیں نابینا ہو یا بینا

یہ حسرت ہے کہ اُس کو دیکھ لوں اُس کی صدا سن لوں بہ ایں چشمان نابینا بہ ایں اسماع ناشنوا

کیا جو تو نے یا رب یا جو اب کرتا ہے سب حق ہے کرم کی جا ستم بھی ہو تو ہے تیرے لیے زیبا

وہ دولت تو نے دی مجکو کہ ہے سب ہیچ آنکھوں میں خطا پوشا عطا پاشا کرم سازا خداوندا

ریاضت نے مجھے سمجھا دئے معنی عبادت کے قوا سے کام لیتا ہوں وہی مطلب ہے جو تیرا

لگدکوب فنا دل نے کیا جب دس حواسوں کو ہوئی پیدا ترے فضل و کرم سے شکل استغنا

سرور محض بن جاؤں جو یک سوئی میسر ہو مٹیں سب آرزوئیں دل سے یہ ارماں نہیں مٹتا

سراپا محو قلم بن جاؤں بند آنکھیں اگر کر لوں اُتاروں صفحۂ خالی پہ تیرا ہو بہو نقشا

حیات جاوداں میں فرق بھی آئے تو آنی ہو مٹوں اور پھر بنوں دریائے ہستی میں حباب آسا

اگر قطرہ کی صورت بحر بے پایاں سے مل جاؤں
پکار اُٹھوں کہ بسم اللہ مجریہا و مُرسہا

فنا کے بعد جس دن ابر رحمت قطرہ افشاں ہو
اُگوں زیر زمیں سے خاک ہو ہو کر نبات آسا

سیاحت کا مزہ ہستی میں جب جب کھینچ کر لائے
تو ہر آنے پہ ظاہر ہو نیا عالم نئی دنیا

فنا کا خوف ہو جائے فنا دل سے تو چین آئے
مجرّد مادّہ سے ہو کے ہو جاؤں بہشت آسا

یہ سب چاہا مگر اب چاہتا ہوں کچھ نہ چاہوں میں
یہی گر چاہتا پہلے تو کیوں ہوتا بشر رسوا

نہ لوں کشتی کا بھی احسان سر پہ عین طوفاں میں
نہ پوچھوں خضر تک سے وادی پر ہول میں رستا

مرے شعروں میں جلوہ شاہد معنی کا پیدا ہے
نظر آتا ہے لفظوں کا فقط ہلکا سا اک پردا

نوا سنجو مرے نغموں کا غل ہے عرش اعظم پر
خوش آواز و سر طوبےٰ پہ جاتا ہے مرا نالہ

مزا دیکھو کہ اس بازار میں سر پہ اُٹھائے ہوں
خریداروں کا احساں بیچ کر بے دام کا سودا

نئی بات آج تک اے **شاد** دیکھی کچھ نہ عالم میں
وہی گھٹتی ہوئی عمریں وہی مٹتی ہوئی دنیا

اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

مژدہ اے روح رواں جام سا دم ساز آیا
نکبتِ فقر گئی شاہ سرافراز آیا

یاد نے اُس نگہ ناز کی ماری برچھی
پاس اپنے جو نیا کوئی فسوں ساز آیا

غنچے ہیں متحیّر، تبسّم ساقی
پینے والے تجھے پینے کا نہ انداز آیا

دل ہو یا روح و جگر کان کھڑے سب کے ہوئے
عشق آیا کہ کوئی مُفسِدہ پرداز آیا

دیکھ لو اشک تو اتر کو، نہ پوچھو کوئی حال
غم تو یہ ہے کہ پھر اس بزم میں غماز آیا

دل جو گھبرائے قفس میں تو ذرا پر کھولوں — زور اتنا بھی نہ اے حسرتِ پرواز آیا
رند پھیلائے ہیں چلّو کو تکلف کیسا — ساقیا ڈھال بھی دے جام خدا ساز آیا
نہ گیا پر نہ گیا شمع کا رونا کسی حال — گو کہ پروانۂ مرحوم سا دمساز آیا
اک خموشی میں گلو تم نے نکالے سب کام — غمزہ آیا نہ کرشمہ نہ تمھیں ناز آیا

بے انیس اب چمنِ نظم ہے ویراں اے شاد
اب تک ایسا نہ کوئی زمزمہ پرداز آیا

کمال حسن کو قدرت نے دل نواز کیا — یہ وہ عطا تھی کہ خود حسن نے بھی ناز کیا
دیا جو عشق حقیقت میں سر فراز کیا — اُمید و یاس سے عاشق کو بے نیاز کیا
نہ خوش ہو کیوں مری مستانہ چال پر ساقی پر — جو میکدہ سے چلا رُخ سوئے حجاز کیا
ہزار شکر کہ میری نیازمندی نے — نگاہ ناز کو تیری گدا نواز کیا
ہجوم عام نے اس بزم میں دی رخصت — جگہہ ملی تو ذرا پاؤں کو دراز کیا
زباں پہ آہ جو آئی تو ہنس کے ٹال دیا — یہاں تلک بھی تو افشانہ میں نے راز کیا

کچھ اس طرح سے چھپائے ہوں اپنی مستی شاد
کہ میکدہ میں کسی نے نہ امتیاز کیا

جب اہل ہوش کہتے ہیں افسانہ آپ کا — ہنستا ہے دیکھ دیکھ کے دیوانہ آپ کا
آنکھوں میں پھر رہا ہے شب و روز کفش کن — آگے نگاہ کے ہے جلوخانہ آپ کا
ویران کیجئے کہ دلوں کو بسائیے — میکش تمام آپ کے میخانہ آپ کا

پیری میں گرنے دیگا نہ چوکھٹ پہ غیر کی　　پکڑے گا ہاتھ بذل کریمانہ آپ کا

مفلس غریب کو ہی یہ حیرت کہ کیا کرے　　دونوں جہاں سے بڑھ کے ہی بیعانہ آپ کا

ناحق ہماہمی کی نہ لیں شیخ و برہمن　　مسجد جو آپ کی ہی تو بت خانہ آپ کا

پھرتا ہی گرد شمع کے افراط شوق سے　　جو یا ہی جان بیچ کے پروانہ آپ کا

ہو حق کا غل ہی خانۂ خمار سے بلند　　ہی مست ہر یگانہ و بیگانہ آپ کا

مطلب یہی ہی بس کہ ہمیں مُنہ لگائیے　　مُنہ تک رہا ہی دیر سے پیمانہ آپ کا

ای **شاد** محو ہو گئے اربابِ انجمن
دل لے گیا کلام فصیحانہ آپ کا

جہاں ہی مکتبِ حیرت سبق ہی چپ رہنا　　بڑا گناہ یہاں ہی الف سے بے کہنا

شبِ فراق میں ہمسائے ڈر کے کہتے ہیں　　غضب یہ رات ڈرانی ہی جاگتے رہنا

بہار آئی درختوں میں پھول پھل آئے　　دُلھن نے شوق سے پہنا نیا نیا گہنا

فغانِ بلبل شیدا نہ جانیئے اس کو　　عروسِ باغ کی شادی ہی بجتی ہی شہنا

غمِ فراق پہ ای آسماں نہیں موقوف　　وہ جو سہائیں غریبوں کو ہر طرح سہنا

اُبھر اُبھر کے یہ کہتی ہی دل کی بیتابی　　بُرا ہی بات کا جی میں بہت لیئے رہنا

گلی میں یار کی ہو قبر یا خرابے میں　　ہمیں تو حشر کے دن تک کہیں پہ سو رہنا

مجھی پہ کیا ہی عدو تک ہی معترف بخدا
زبانِ حضرتِ مونس کا **شاد** کیا کہنا

مسافروں نے بندھے جگ کو اپنے توڑ دیا　　قریب گھر کے پہونچتے ہی ساتھ چھوڑ دیا

ہجومِ اشک سے دیدار میں خلل نہ پڑے　　جواب کے روئیں تو آنکھوں کو میں نے پھوڑ دیا

یہ دوستی تمہیں ایسوں کی شان ہے واعظ　　کہ جب کسی کو جگانے لگے جھنجھوڑ دیا

ہزار شکر تری اس عطا پہ اے ساقی　　جو ایک جام دیا لاکھ کیا کروڑ دیا

شکستہ جام ہمیشہ شکستہ ہے ناصح　　ہزار تو نے مصالح لگا کے جوڑ دیا

گرا جو ہاتھ سے شیشہ معاف کر ساقی　　کسی نے زور سے پنجہ مرا مروڑ دیا

زلال پیر مغاں دے چکا تھا رندوں کو　　جو تہہ نشیں تھا وہ تر چھیٹ مجھے نچوڑ دیا

لہو کا نام نہیں **شاد** جوش ہے کیونکر
کسی نے داب کے مٹھی میں دل نچوڑ دیا

دنیا و دیں کے حال سے دل بے خبر نہ تھا　　اتنا نہ کھل سکا کہ کدھر تھا کدھر نہ تھا

ساقی نے گھولنے کو تو گھولا تھا زہر بھی　　اس جام کو بھی پی کے جو دیکھا ضرر نہ تھا

کیا کچھ اُٹھا رکھا تھا شبِ غم زبان نے　　پر شکر ہے قریب وہ بیداد گر نہ تھا

زاہد سمجھ نہ کبر جو ہم چپ کھڑے رہے　　اُس آستاں کے سجدہ کے قابل یہ سر نہ تھا

جو کچھ سہا یا آپنے دل اُس کو سہہ گیا　　ہے یہ کہ مرنے والے کی طینت میں شر نہ تھا

رہ رہ کے مجکو آتی ہے اپنی امید کی　　بیکس کی لاش پر بھی کوئی نوحہ گر نہ تھا

کیوں **شاد** اُس میں رہ کے بسر کس طرح ہوئی
جس گھر میں چار سمت تھی دیوار و در نہ تھا

جفائے یار کا دل کو ملال آہی گیا | ہزار دھیان کو ٹالا خیال آہی گیا
پیام وصل بھی سن کر ہوا نہ اطمینان | کئی طرح کا ہمیں احتمال آہی گیا
زبان عرف میں قتال جس کو کہتے ہیں | تھا جس سے خوف زدہ دل وہ سال آہی گیا
صبا ہوئی جو بغل گیر آکے پھولوں سے | ترانہ سن کے عنادل کا حال آہی گیا
ضعیف وزار تھا اٹھتے ہی بیٹھتے آخر | تری گلی میں ترا پائمال آہی گیا
ذراسی ٹھیس بھی شیشہ کو تھی بہت ساقی | ہزار تو نے بچایا تھا بال آہی گیا
ہزار بستہ زبانی نے ہمکو روکا شاد | مقام سرزنش وقیل وقال آہی گیا

سراپا یاس ہوتا جا سراپا درد ہوتا جا | جہاں تک بن پڑے اے جسم لاغر زرد ہوتا جا
رہائی غیر ممکن ہو مرے غمخانہ دل سے | جو اے ارماں نکلتا ہے تو آہ سرد ہوتا جا
کہو یہ بسمل تیغ نگہ سے کیوں تڑپتا ہے | بتوں کی سرد مہری یاد کر اور سرد ہوتا جا
چلے جب شاد ہم سوئے عدم دنیا پکار اٹھی | ہمارے پاس سے پھر بھی اگر ہے مرد ہوتا جا

تیری یکتائی میں نقصان بتا کیا ہوتا | تجھ سا ہوتا جو کوئی وہ بھی تجھی سا ہوتا
جسم خاکی کے تعلق نے گراں بار کیا | کاش میں راہ میں تیری تن تنہا ہوتا
مژدۂ وصل میں اے دل تجھے دیتا تو ہی | تجھ کو مجھ پر تو مجھے کس پہ بھروسا ہوتا
جلوہ گر تو نہ ہوا ناز نے کیا کام کیا | میں ہوں جس طرح یوہیں تو بھی تماشا ہوتا

درد الفت سے قوی ہوتی ہیں روحیں تن میں
اور بڑھتا یہ مرض شاد تو اچھا ہوتا

نہ اپنا آپ میں مالک نہ شادی اور نہ غم میرا
مجھے ای زندگی آزاد کر گھٹتا ہے دم میرا

اسے جادو نہ کہہ اعجاز ہے طرزِ رقم میرا
عصا موسیٰؑ نبی کا تیغ حیدرؑ کی قلم میرا

بہانہ ہے فقط شکر و شکایت کے لئے ورنہ
جفا میری وفا میری ستم میرا کرم میرا

بڑھایا کس مبارک راہ میں پائے طلب میں نے!
کہ اپنے نقش پا کو چوم لیتا ہے قدم میرا

کیا ہے فتح دل نے آرزوئے وصل سی شے کو
بجے گا ملکِ استغنا میں ڈنکا دمبدم میرا

رہے یا جائے دونوں حالتیں یکساں ہیں ای ناصح
نہ دردِ اپنا نہ صبر اپنا نہ دل میرا نہ غم میرا

شہنشاہی ملی ہے کشورستانِ محبّت کی
انا المعشوق ہے اس ملک میں نقشِ درم میرا

خراباتِ مغاں ہنس ہنس کے ہر میکش سے کہتا ہے
حقیقت میں جلو خانہ ہے گلزار ارم میرا

ہوا سرسبز امیدوں کا نہ اپنی جب کوئی دانہ
بہت رویا کیا منہ دیکھ کر ابرِ کرم میرا

اُٹھالے جس قدر مزدور بار اُتنا ہی دیتے ہیں
مری طاقت سے زاہد بوجھ کیونکر ہو نہ کم میرا

وہ زلفیں بے محابا آئینے سے جھک کے کہتی ہیں
کہاں دیکھا ابھی ای آئنہ والے پیچ و خم میرا

بس اب دل کو ہٹا لے خوب سمجھا دے اُمیدوں کو
کبھی ہوگا نہ ای حسرت سر و ساماں بہم میرا

ترے رُخ کا تصور طوفِ کعبہ میں جو تھا مجھ کو
تو دیکھا کی عجب حسرت سے مُنہ شمعِ حرم میرا

نہ کیونکر ہو خوشی دل کو کہ مرنا ہے بڑھاپے کا
عزیزو دوستو تُم کو ستائے گا نہ غم میرا

مجھی پر **شاد** پڑتی ہیں نگاہیں نکتہ سنجوں کی
وطن خوش نام ہے جس وقت تک باقی ہے دم میرا

موجِ فنا مٹا نہ دے نام و نشان وجود کا
دیکھ حباب کی طرح شوق نہ کر نمود کا

مدرسۂ وجود میں صفحۂ سادہ بن کے آ ۔۔۔ پیرِ خرد سے لے سبق مسئلۂ شہود کا
ہو وہ قمیص مل گیا بوئے خوش اُس کی کھینچ لا ۔۔۔ عطر سنگھا دے اے صبا مشک و زباد و عود کا
ناز کر اے جبین شوق طالعِ ارجمند کا ۔۔۔ سنگ درِ نیاز پر نقش رہا سجود کا
تو بھی ہمیں ہیں سب طرح روزِ ازل سے تا ابد ۔۔۔ نیست ہے حاصل اگر ہستی بے وجود کا
دل نہ ملا ہزار حیف کچھ نہ کھلا گیا کہاں ۔۔۔ ڈھونڈھ چکا ہوں تار تار گیسوئے مشک سود کا
ساقی مہ لقا نے جب خم سے سبو میں ڈھال دی ۔۔۔ مجلس مے میں چار سو شور مچا درود کا
اب تو امید ہے نہ یاس جی میں ہراس ہے نہ شوق ۔۔۔ دل نے خیال اٹھا دیا اپنے زیان و سود کا
چشمِ گہر فشاں مری بند ہے کیوں نہ کچھ کھلا ۔۔۔ دیکھ چکی ہے مرتبہ اہل سخا وجود کا
کاکل جاں فزا کی بو سونگھ چکی ہے اے صبا ۔۔۔ کچھ تو سمجھ کے ذکر کر عنبر و مشک و عود کا
ناپ چکا ہوں چند بار وسعت عرش و فرش کو ۔۔۔ تو بھی پتہ نہ کچھ ملا شوق ترے حدود کا
خلوتِ ناز و حسنِ یار طیّب و صاف و پاک ہے ۔۔۔ ایسی جگہ وجود کیا اپنے نجس وجود کا

شادؔ کریں نہ شکر کیوں قید لباس سے چھٹے
اب تو گراں ہے تار تار خلعتِ ہست و بود کا

جنوں ایک ایک تنکا سر پہ لوں احساں زمانے کا؟ ۔۔۔ تن آسانی گراں ہے نام تک اب آشیانے کا
سحر ہے اس سرا سے وقت آیا شادؔ جانے کا ۔۔۔ اکسے باندھوں نہ بستر ہے نہ تکیہ ہے سرہانے کا
تکلف تب ہے اے مشاطہ زلفوں کے بنانے کا ۔۔۔ کہ سلجھیں گتھیاں اور بال بیکا ہو نہ شانے کا
کسی کا جرم کیا اللہ سمجھے میری آنکھوں سے ۔۔۔ شکایت ہے نہ آئینے کی شکوہ ہے نہ شانے کا

مجھے کچھ نزع کی سختی نہیں لیکن یہ کہتا ہوں
نہ آئے وہ بہت نزدیک پہونچا وقت جانے کا

نہالانِ چمن پر جب خزاں آتی ہے روتا ہوں
بڑھاپا چمن کا ہے وقت یا صدمے اٹھانے کا

جو آنکھیں ہوں تو رنگا رنگ شکلیں تجھ پہ ظاہر ہوں
زمیں نے بھر کے رکھا ہے ذخیرہ اک زمانے کا

ہماری جاں صدقے نوجواں قاتل کے غصے پر
کوئی انداز دیکھے آستینوں کے چڑھانے کا

غضب ہے اس نے سمجھا قیس و لیلےٰ استعارے کا
میں قصہ کہہ رہا تھا یار سے اگلے زمانے کا

مرا سب حال کہہ چکنا تو قاصد یوں بھی کہہ دینا
خبر کردی تمھیں ہے اختیار آنے نہ آنے کا

چمن کو یاد کر کے گھڑیوں ہی آنسو بہاتا ہوں
کوئی تنکا جو مل جاتا ہے اجڑے آشیانے کا

ستارے کی طرح پیشانیاں ان کی چمکتی ہیں
میسّر ہے جنھیں سجدہ تمھارے آستانے کا

تماشا ہے کہ ہر صورت میں پاتا ہوں نیا جلوہ
یہ دنیا بھی ہے اک کونا ترے آئینہ خانے کا

اس آشفتہ بیانی کو بتاؤ کیا کوئی سمجھے
سراتم نے بھلایا **شاد** آپ اپنے فسانے کا

اگر مرتے ہوئے لب پر نہ تیرا نام آئے گا
تو میں مرنے سے درگزرا مرے کس کام آئے گا

شبِ ہجراں کی سختی ہو تو ہو لیکن یہ کیا کم ہے
کہ لب پر رات بھر رہ رہ کے تیرا نام آئے گا

لگی ہو کچھ تو قاصد دل میں خود پیغام بر کے بھی
وہاں جائے گا جو تیری طرح ناکام آئے گا

نہ جھپکاؤ پلک تک ٹکٹکی باندھے رہو رندو
ہتھیلی پر کبھی تو رکھ کے ساقی جام آئے گا

یہاں دل پر بنی ہے تجھ سے اے غمخوار کیا الجھوں
یہ کون آرام ہے مرجاؤں تب آرام آئے گا!

عطا کی جبکہ خود پیرِ مغاں نے پی بھی لے زاہد
یہ کیسا سوچنا ہے تجھ پہ کیوں الزام آئے گا

اُنھیں دیکھے گی تو ای چشم حسرت وصل میں یا میں　　ترے کام آئے گا رونا کہ میرے کام آئے گا
کہاں سے لاؤں صبر حضرت ایوب اے ساقی　　خم آئے گا صراحی آئیگی تب جام آئے گا
یہی کہہ کر اجل کو قرض خواہوں کی طرح ٹالا　　کہ لے کر آج قاصد یار کا پیغام آئے گا

گلی میں یار کی ای شاد سب مشتاق بیٹھے ہیں
خدا جانے وہاں سے حکم کس کے نام آئے گا

ساقیا تو نہ مرے شکر کا مطلب سمجھا　　تب تو پیمانۂ خالی کو لبالب سمجھا
جمع کرلیں ہوسیں عشق کو تو کب سمجھا　　وائے ہو تجھ پہ کہ مفرد کو مرکب سمجھا
میرے مطلب کو نہ دل اور نہ مرا لب سمجھا　　چپ ہوں میں جس کے اشارے سے وہی سب سمجھا
کون پردے میں یداللہ کے ہو تیغ بکف ؟　　کس پہ یہ دست درازی ہو نہ مرحب سمجھا
کاش پہلے ہی سمجھتا کہ سمجھ قاصر ہو　　جب سمجھ سے نہ چلا کام ترا تب سمجھا
نامۂ شوق ترا غیر نے دیکھا بھی تو کیا　　آپ جیسا ہو اُسی طرح کا مطلب سمجھا
خاک ہوتے ہی مٹا دیدۂ خود بیں کا غبار　　میرے مٹنے میں جو تھا راز وہ میں اب سمجھا
نامہ بر وصل کا اقرار کریں وہ خط میں　　اس عبارت کا ذرا پھر مجھے مطلب سمجھا

شاد اُس شوخ طبیعت کے کنائے بخدا
میں نہ سمجھا کہ میں نافہم ہوں تو کب سمجھا

ہم سے نہ حق ادا ہوا عشق کرشمہ ساز کا　　شکوہ کریں تو کیا کریں جان بہانہ باز کا
ای دل مضطرب ٹھہر وقت سوال بھی تو ہو　　ہم کو بھی نام یاد ہو اپنے گدا نواز کا

ہو گی جب اپنی آنکھ بند آئے گا وہ بھلی کہی — دیکھ سکا نہ جو سماں دیدۂ نیم باز کا

اُن کے پیام کا جواب کس نے کہا کہ نالے دے — کوئی علاج کیا کرے ایسے زباں دراز کا

بار سبو وہی اُٹھائے جس پہ ہو فضلِ مے فروش — زاہدِ خشک یہ بھی کیا بوجھ ہے جا نماز کا

پیر مغاں کے معجزے دیکھ چکے ہو واعظو — تم نہ پیو جو مے تو خیر حکم تو دو جواز کا

آئے اگر عروسِ دہر بھول کے میکدہ میں اب — کہہ دو یہ صومعہ نہیں زاہدِ پاک باز کا

خوش تو ہیں یادِ حشر سے منتظرانِ سادہ لوح — ہو نہ کرشمہ یہ کسی دلبرِ حیلہ ساز کا

بوسۂ سنگِ آستاں مل نہ سکا ہزار حیف — آگے قدم نہ بڑھ سکا ہمّتِ سر فراز کا

قصۂ ہجر تا کجا تھک بھی چکے مری زباں — ہو بھی تو خاتمہ کہیں اس گلۂ دراز کا

دیر سے منتظر ہیں وہ عذر تو کر خدا کو مان — جانِ بلب رسیدہ آہ کون محل ہے ناز کا

جلوۂ حُسن کی طرف دیکھ تو کچھ پتہ ملے — جانے دے ولولہ نہ پوچھ عاشقِ پاک باز کا

اُس کی گلی میں دو قدم ابھی بڑھے تھے اہلِ شوق — بھول گیا ابھی سے دم نالۂ عرش تاز کا

دل کا وجود کیا بھلا اُن کی مژہ کے سامنے — صعوہ شکار ہو گیا چنگل شاہباز کا

خاک بہت سی چھان کر دشت و جبل سے ہم پھر آئے
تو بھی پتہ ملا نہ شادؔ قافلۂ حجاز کا

نہ ہم کام آئے اوروں کے نہ کوئی اپنے کام آیا — تعجب ہے کہ تو بھی زمرۂ انساں میں نام آیا

یہ آنا بزم میں صہبا کشو ساقی کا آنا ہے — پئے تعظیم اُٹھو بیٹھو آیا امام آیا

ہیں گردِ پیش رحمت کے فرشتے طرفہ گویاں — پری تختِ رواں پر آئی یا کشتی میں جام آیا

مجھے ای روح کیوں ہر بے قراری کچھ بتا ظالم — کہاں سے آگئی تیری طلب کس کا پیام آیا

بزرگوں میں بھی بیٹھے شاؔد اک مدت تلک لیکن

ادب سے بیٹھنا آیا نہ آداب کلام آیا

کسی کو کیا خبر ای صبح وقت شام کیا ہوگا — خدا جانے ترے آغاز کا انجام کیا ہوگا

گرفتارانِ گیسو پر نہیں کچھ منحصر ناصح — پھنسا ہی جو تملق میں اُسے آرام کیا ہوگا

عبث ہی زاہدوں کو میکشی میں عذر ناداری — گرو رکھ لیں اِسی کو، جامۂ احرام کیا ہوگا

وہی رہ رہ کے گھبرانا وہی نا کارگر آہیں — بجز اس بات کے تجھ سے دلِ ناکام کیا ہوگا

اِسے بھی جلد اُٹھا کر طاقِ نسیاں کے حوالہ کر — نہیں پیش نظر جب خُم تو ساقی جام کیا ہوگا

یہی ٹوٹے سبو مٹی کے ہیں کافی قناعت کر — بلوریں جام مَی ای رندِ مَی آشام کیا ہوگا

تقرب جن کو ہی اُن کو بھی ہی یک گونہ مایوسی — یہ حالت ہی تو پھر دیدار تیرا عام کیا ہوگا

نہ پوچھو مفتیانِ شرع کا احوال جانے دو — تنفر کفر کو جس سے ہو وہ اسلام کیا ہوگا

زمانہ شاؔد کیوں بیگار میں آخر پھنساتا ہی

دیا بیج کر دیا پیری نے تجھ سے کام کیا ہوگا

کمال کیا ہی اگر مہر کو جمال دیا — اُسے زوال تجھے حُسن لازوال دیا

کسی کو حُسن دیا اور کسی کو مال دیا — غریب جان کے تونے مجھی کو ٹال دیا

شب فراق کی آمد ہی تھی کہ تو پہونچا — ترے نثار کہ آئی بلا کو ٹال دیا

مناسبت ترے اعضا کی قہر کرتی ہی — کمال حُسن نے سانچے میں تجھکو ڈھال دیا

ہی بے وجود جہاں میں اسی لیئے میں نے ۔۔۔ وفا کا لفظ کتابوں سے بھی نکال دیا

طلب کروں جو میں تجھ سے تو میری کیا تقصیر ۔۔۔ سوال کرنے کو تو نے لب سوال دیا

بیان حال زبانی خطوں سے بہتر ہی ۔۔۔ یہ حرف کان میں قاصد میں نے ڈال دیا

خیال سود و زیاں کی اکھاڑ دی بنیاد ۔۔۔ بڑے پہاڑ کو رستہ سے میں نے ٹال دیا

غریب عاشق بیکس کے دل کی قیمت کیا ۔۔۔ کسی نے راہ میں کوڑا سمجھ کے ڈال دیا

وہ پادشاہ ہی خود اپنے ملک کا **اے شاد**

عطا کیا اُسے سب کچھ جسے کمال دیا

کچھ کہے جاتا تھا غرق اپنے ہی افسانے میں تھا ۔۔۔ مرتے مرتے ہوش باقی تیرے دیوانے میں تھا

ڈون کی بیٹھا ہوا لیتا ہی زاہد کیا کہوں ۔۔۔ متقی ساقی سے بڑھ کر کون میخانے میں تھا

ہائے وہ خود رفتگی اُلجھے ہوئے سب سر کے بال ۔۔۔ وہ کسی میں اب کہاں جو تیرے دیوانے میں تھا

دیکھتا تھا جس طرف اپنا ہی جلوہ تھا عیاں ۔۔۔ میں نہ تھا وحشی کوئی اِس آئینہ خانے میں تھا

بوریا تھا کچھ شکستہ مٹی یا ٹوٹے سبو ۔۔۔ اور کیا اس کے سوا مستوں کے میخانے میں تھا

دیر تک میں ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھا کیا ۔۔۔ چہرۂ ساقی نمایاں صاف پیمانے میں تھا

ہنستے ہنستے رو دیا کرتے تھے سب بے ختیار ۔۔۔ اِک نئی ترکیب کا درد اپنے افسانے میں تھا

خود غرض دنیا کی حالت قابل عبرت تھی **شاد**

لطف ملنے کا نہ اپنے اور نہ بیگانے میں تھا

نہ کیوں باز دیکھ لے لغزشوں میں ہم سے مستوں کا ۔۔۔ بڑا حامی ہی خود پیر مغاں ساغر پرستوں کا

یہ ممکن ہو کہ لکھی ہو قلم نے فتح آخر میں
جو ہیں ارباب ہمت غم نہیں کرتے شکستوں کا

گراں رکھ قدر اپنی آکے اس بازار کے اندر
جو اعلا بھی ہوں تو بھی وقر مٹ جاتا ہے سستوں کا

زمیں پھر کھینچ کر لاتی ہے اپنی سطح پر آخر
فلک رتبہ بڑھانے کو بڑھا دے لاکھ پستوں کا

نگاہِ نازِ ساقی کی نہ دلوایاد ای ہمدم
خدا جانے کہاں ہو دھیاں ہم ساغر بدستوں کا

کب اُترے بام سے اُس کے ڈھلا جب دن قیامت کا
ٹھکانا ہے کہیں ای ذوق صحبت اِن نشستوں کا

نہ دے ساقی نہ دے جام اُن کو جو مجبور بیٹھے ہیں
پہونچ جائے گا آخر دور ہاتھ اِن تنگ دستوں کا

خر لنگ آکے میداں جیت لے ای شادیوں ورنہ
ہوا سے بات کرتا ہے قلم ہم تیز دستوں کا

اُلفت لالہ و گل نے جو نہ گھیرا ہوتا
کیوں پھر اس باغ میں صیاد بسیرا ہوتا

ای صنم طالب دیدار کا جی چھوٹ گیا
بے رُخی کر کے منہ اس طرح نہ پھیرا ہوتا

اک مرے حال نے مغموم کیا عالم کو
کاش دنیا میں کوئی دوست نہ میرا ہوتا

ناتوانی او ہی اب ہم ہیں کہ اللہ اللہ
کوچہ یار کا برسوں نہیں پھیرا ہوتا

نہ کرے اب کوئی دل کو مری جانب منسوب
میرے پہلو میں نہ ہوتا جو یہ میرا ہوتا

چونک غافل کہ نمایاں ہے سحر پیری کی
چاہتا کیا ہے کہ اس سے بھی سویرا ہوتا!

نہ دیا چین مجھے وحشت دل نے ورنہ
کسی جنگل میں کسی رات تو ڈیرا ہوتا

لو چلو باغ سے ای زمزمہ سنجان بہار
کٹ گیا نخل وہی جس پہ بسیرا ہوتا

ای جنوں قیس تو کیا اُس کا فرشتہ سنتا
تو نے میداں تو کوئی بیچ میں گھیرا ہوتا

بے رُخی کا گُل و بلبل کی عبث شکوہ شاد

آخر اس باغ میں تھا کون جو تیرا ہوتا

بُلایا کوہ پر شیریں کو اے فرہاد کیا کہنا — بڑے پتھر کو پانی کر دیا اُستاد کیا کہنا

پڑھا کرتے تھے جو جو ظلم ہم اگلی کتابوں میں — وہی آنکھوں سے دیکھے اے ستم ایجاد کیا کہنا

قیامت کر چکے جس وقت نالے ہمصفیروں کے — ہمیں تب حکم خاموشی دیا صیاد کیا کہنا

سبو کیسا کہیں اک جام بھی ملتا ہمیں ساقی — رہے لاکھوں برس یہ میکدہ آباد کیا کہنا

ادق مضموں کہاں اور اُسمیں لفظوں کی یہ شیرینی

نکالا جوئے شیر اس کوہ سے اے شاد کیا کہنا

میں جو حاصل ترے کوچہ کی گدائی کرتا — چین سے بیٹھ کے تا عمر خدائی کرتا

کھُل نہ سکتا ترے ہاتھوں سے قفس اے صیاد — کاش منظور ہی تو میری رہائی کرتا

ذرے ذرے کو ترے کوچے میں تھا مجھ سے غبار — میں جو کرتا بھی تو کس کس سے صفائی کرتا

دشت حیرت کے مسافر کو نہ ملتا رستہ — آپ بھی آکے جو تو راہ نمائی کرتا

معتکف جو ترے کوچے کے تھے اُٹھتے نہ کبھی — کعبہ خود آکے اگر ناصیہ سائی کرتا

سوچ ناحق ہے اسیران قفس کے دل کو — کون دل سوز ہے جو فکر رہائی کرتا

شاد دشمن کی شکایت کا وظیفہ نہ پڑھو

کیا پڑی تھی کہ مرے ساتھ بھلائی کرتا

نہ ہے شکار جو خود اُس نگہہ کا صید ہوا — خوشا اسیر سمجھ بوجھ کر جو قید ہوا

ہمیشہ کام رہا میکدہ میں ساقی سے — نہ التفات مجھے سوئے عمرو زید ہوا

اب اشک میں ترے آتا نہیں لہو اے چشم — تجھی پہ کیا ہے زمانہ کا خوں سپید ہوا

پھری رہیں سوئے در بعد مرگ بھی آنکھیں — یہاں تلک بھی نہ میں تجھ سے نا اُمید ہوا

بڑھائے جس نے قدم حد سے جانب دنیا — تمام عمر گرفتار مکر و کید ہوا

وہ اور ہوں گے جو مایوس ہو گئے اے شاد
میں اُس کے فضل سے اب تک نہ نا اُمید ہوا

کعبہ و دیر میں جلوہ نہیں یکساں اُن کا — جو یہ کہتے ہیں ٹٹولے کوئی ایماں ان کا

کیوں مٹایا نہ ابھی تک یہی احساں اُن کا — اُن کے قابو میں ہے دل دل میں ہے ارماں اُن کا

جستجو شرط ہے گھبرائے نہ خواہاں اُن کا — گھر بتا دے گا کوئی مرد مسلماں اُن کا

تو نے دیدار کا جن جن سے کیا ہے وعدہ — ہائے رے اُن کی خوشی ہائے رے ارماں اُن کا

چھوڑ کر آئے ہیں جو صبح وطن سی شے کو — مرتبہ کچھ تو سمجھ شام غریباں اُن کا

جن کی آغوش تصور میں ہے وہ حور جمال — کہیں سچ ہو نہ یہی خواب پریشاں اُن کا

سر میں سودائے خرد پاؤں میں زنجیر شکوک — نہ پتا پائے گا اس شکل سے انساں اُن کا

چاک کرنے کا ہے الزام مرے سر ناحق — ہاتھ اُن کا ہے میں اُن کا ہوں گریباں اُن کا

جو اس اُلجھاؤ کے ہیں خود متمنی دل سے — کیا بگاڑے گی تری زلف پریشاں اُن کا

اِن شہیدانِ محبت میں تو میں صاف کہوں — کوئی اتنا نہیں پکڑے جو گریباں اُن کا

وہ جہاں چاہیں لُٹا دیں نہیں شکوے کی جگہ — دخل کیا غیر کو گھر ان کے ہیں مہماں اُن کا

جن شہیدوں نے بصد درد و تڑپ کر دی جان　　چھن گیا ہاتھ سے جیتا ہوا میداں اُن کا

مان لو پاؤں سے زنجیر بھی اُتری لیکن　　بھاگ کر جائے کہاں قیدیِ زنداں اُن کا

مست جاتے ہیں خرابات سے مسجد کی طرف　　راہ مخدوش ہے اللہ نگہباں اُن کا

مرنے والوں کا اگر ساتھ دیا پورا کر　　لے جنازہ بھی اُٹھا حسرت و حرماں اُن کا

حق جتاتے ہیں شہیدانِ محبت بیکار　　کیا یہ مرنا تھا بڑا اُنکا رہا یاں اُن کا

بیڑیاں کٹ گئیں اے **شاد** رہا ہو کے چلے
چھٹ گئے قید تعلق سے ہم احساں اُن کا

مدعا بھی ہے ترا دست دعا بھی تیرا　　آستاں بھی ترا اے حسن گدا بھی تیرا

جب خدائی ہے تری بلکہ خدا بھی تیرا　　پھر تو بیکار ہے اے دوست گلا بھی تیرا

تو اکیلا ہے مسافر نہ کوئی آس پاس　　پاؤں پکڑے ہے بیابانِ بلا بھی تیرا

گر کبھی راہ اجابت میں بڑھاتی ہے قدم　　ڈر کے منہ دیکھتی جاتی ہے دعا بھی تیرا

وادیِ حسن ہے نزدیک سنبھل اے موسیٰ　　خوف سے سر کو جھکائے ہے عصا بھی تیرا

کون ہم گوشہ نشینوں کا بھلا دھیان کرے　　اب تو لاتی نہیں پیغام صبا بھی تیرا

ہم بھلا منزل مقصود پہ کیونکر پہونچیں　　راستہ بھی ہے ترا راہ نما بھی تیرا

کس نے روکا تجھے کس پر ہے یہ غصہ اے دوست　　ہے ترا ہاتھ بھی داماں قبا بھی تیرا

ناز نے تیرے خدا جانے کیا کیا جادو　　کلمہ پڑھنے لگی اب میری وفا بھی تیرا

میں تو شرمندہ ہوا ہیچ میں ناحق پڑ کر　　کہ دعا بھی تھی تری دست دعا بھی تیرا

عرضِ مطلب پہ بُرا مان کے غصہ کیسا

شاؔد دیوانہ بھی تیرا ہی گدا بھی تیرا

۱۲؎

غفلت میں ہوئی اوقات بسر ای عمرِ گُریزاں کچھ نہ کیا

تھی فکرِ وصال یار بہت لیکن سر و ساماں کچھ نہ کیا

واعظ نے خموں کو چور کیا۔ تہ کر دی زمیں ای پیرِ مغاں

ظالم نے ذرا تیرا بھی لحاظ ای رہبرِ ایماں کچھ نہ کیا

مے پینے کا دل میں جوش نہ تھا ظاہر کی طلب تھی ہوش ہی آ

ساقی نے ملایا زہر اگر ای مُنکرِ احساں کچھ نہ کیا

سنتا ہوں عدو کو خاک کیا مٹی میں ملایا جسم اُس کا

پھونکا نہ جلا کر مجکو اگر ای شعلۂ ہجراں کچھ نہ کیا

تربت پہ بُلائے گا اُن کو یہ خام خیالی ہے دل کی

وہ گھر میں کریگا کیا جا کر جس نے سرِ میداں کچھ نہ کیا

تکلیف کسی کو گر پہونچی۔ کیا اس میں تکلف سوچ ذرا

حیران رکھا گر قاتل کو ای دیدۂ حیراں کچھ نہ کیا

جنبش سے تری مقتل ہوتا اک آن میں دشتِ کرب و بلا

عشاق کی بیباکی کا عوض ای ابروئے بُرّاں کچھ نہ کیا

اُلٹا نہ عراق و شام و حلب دنیا نہ ہوئی ویراں تو کیا

جل تھل نہ لہو سے تونے بھرا تو خون مسلمان کچھ نہ کیا

ای ننگ جہاں ای شاد بتا کچھ آتی ہی تجکو شرم وحیا

ای جہل مرکب ای حیوان ای بے خبر انسان کچھ نہ کیا

ہزار شکر کہ نالوں میں یہ اثر آیا | لیا جو نام ترا دل کو تو نظر آیا
خدا کرے کہ اب اس کا عوض ہو دل کو نصیب | جہاں میں جتنے مصیبت کے دن تھے بھر آیا
سحر سے شام ہوی اب تلک لی کروٹ | دلِ ستم زدہ اُس کی گلی سے مر آیا
پڑھو لحد پہ مری دوستو غنیمت ہی | جواب خط کا اگر لیکے نامہ بر آیا
رہا بھرے ہوے دل کا نشاں ہر ماتھے پر | کہاں کا داغ کہاں دفعتہً اُبھر آیا
ہزار شکر کہ ہم فائز المرام ہوئے | جو کٹ کے سامنے قاتل کے اپنا سر آیا
دماغ عرش پہ اپنا پہونچ گیا ساقی | کہاں سے ان کٹی نظروں میں یہ اثر آیا
صنم کدہ کی مذمت کرے نہ کیونکر شیخ | حرم میں چین سے ایمان جاکے دھر آیا
لحد میں شانہ ہلا کر پکارتی ہی یہ موت | لے اب تو چونک مسافر کہ اپنے گھر آیا
ہزار شکر ہوا آفتاب حشر طلوع | بڑی تو لاج رہی یہ کہ تو نظر آیا
نظر ملی کہ ہوا دل میں جاگزیں وہ حسن | یہ نقش صفحۂ خالی پہ جلد اُتر آیا
زباں پہ آتا ہی نالہ بھی سو کرشموں سے | کہاں سے آپ کے انداز کا اثر آیا

جو چند دن میں ہوئے ذی کمال کون ہیں شاد
ہمیں تو شعر کا کہنا نہ عمر بھر آیا

تری زلفوں میں دل الجھے نہ کیونکر حق پسندوں کا　　حرم سے سلسلہ ملتا ہے ان مشکیں کمندوں کا

نظر کرتے ہیں کس کس ناز سے آپ اپنی صورت پر　　کوئی آئینہ دیکھے دیکھنا ان خود پسندوں کا

یہ کہتی ہے تری رفتار آغاز جوانی میں　　کہ ہے سب سے جدا انداز ہم اقبال مندوں کا

نکالا برہمن نے دیر سے کعبہ سے زاہد نے　　کوئی پروا نہ کر بیکس خدا ہے اپنے بندوں کا

مریض غم کی مشکل اے خدا آسان کر جلدی　　کئی راتوں سے منہ اترا ہوا ہے دردمندوں کا

بنائیں ریت پر ہیں سیل کی آمد ہے اور خوش ہیں　　ذرا ادراک دیکھو غور سے دنیا کے بندوں کا

ہوا گر لگ گئی اے شاد میدان معانی کی
قلم روکے رکے گا پھر نہ ہم مشکل پسندوں کا

کہیں تو کیا کہیں ہم ماجرا زمانے کا　　سرا ہی جب نہ رہا یاد اس فسانے کا

فقط اثر ہے چمن میں خزاں کے آنے کا　　جو اب عزیز ہے تنکا تک آشیانے کا

تری نگاہ کے ناوک جبھی سے ہیں دلدوز　　کہ نام تک بھی نہ تھا جب کہیں نشانے کا

نماز شکر بجا لا اگر نہ چھلکے جام　　کبھی نہ قصد کر اے مست خم اٹھانے کا

ہزار آئے نہ مسجد سے میکدے میں شیخ　　ہزار کچھ ہو یہ ہے آدمی ٹھکانے کا

شہید تیغ ادا خاک ہو گئے لیکن　　ہنوز حوصلہ باقی ہے زخم کھانے کا

خدا نہ کردہ کہ جام و سبو پہ قابو پائے　　وہ رند جو ہے عادی کبھی پلانے کا

ہنوز پر بھی نہ تولے کہ دام میں آئے　　ملا نہ وقت ہمیں ہمت آزمانے کا

رگڑ رہا ہوں در میکدہ پہ اپنی جبیں　　ارادہ داغ ندامت کے ہے مٹانے کا

کسی شہید کے خوں کا اثر ہو رگ رگ میں
عدو سے **شاد** نہ لوں گا عوض ستانے کا

صدا کل شام سے الفت کا آزاری نہیں دیتا
غریب آخر ہو اب شاید کہ دل یاری نہیں دیتا

کوئی نفع بھی دنیا کا آخر سوچ لیتا ہے
کسی کو بے سبب اللہ سے داری نہیں دیتا

شب وصل اس کا یوں کہنا کہ کیوں صدمہ نہیں اٹھے
مزا کیا کیا یہ استفہام انکاری نہیں دیتا

رگڑوا تا ہی برسوں ایڑیاں بیمار الفت سے
یہ عشق کینہ خود دو دن کی بیماری نہیں دیتا

شب غم تا سحر جیا ہوں تو جی سکتا ہوں مر مٹ کر
سمجھ کر جان دیتا ہوں یہ ناچاری نہیں دیتا

شفائے درد دل سے یاس آزاری کو ناحق ہے
دوا جس کی نہ ہو خالق وہ بیماری نہیں دیتا

ازل سے ہو ادائے ناز کی فطرت میں خوں ریزی
کسی کو حسن خود حکم دل آزاری نہیں دیتا

شب فرقت نے اک لے لیا سب زور سینے کا
کروں نالے مگر اے **شاد** دل یاری نہیں دیتا

کٹے تیغ سے بھی اگر گلا ترے ظلم کا نہ کروں گلا
کہوں وجد میں یہی بر ملا کہ انا الشہید بکربلا

ترا نور جیب سے ہوا عیاں ہوا آشکار جو تھا نہاں
چمک اٹھے دشت و جبال و در متشعشعاً متزللاً

مرا سر ہے جو سر سناں مرا تن ہو خاک پہ خوں چکاں
لب زخم سے یہ کروں عیاں کہ انا القتیل مرملا

انا الشہید کی زمین [illegible]

ترے دم سے اس کا رواج ہے ترا حُسن منفرد آج ہے
ترے سر پہ فخر کا تاج ہے مُتَلاً لِیاً وَ مُکَلَّلاً

مجھے لاکھ سجدہ کریں ملک مرا فرش راہ ہو عرش تک
میں حضیض محض ہوں اے فلک فَلِذَا نَزَلتُ مِنَ العُلاً

مجھے خوف ہے کہ اُلجھ کے یہ کہیں راستہ میں نہ رہ پڑے
مری روح عالم کون سے جو یہ ہیں رکھے گی خلاً ملا

ہیں نگاہ شوق میں متحد ترا کوچہ ہو کہ ہو قتل گہہ
تری جلوہ گاہ ہیں دونوں ہی جو منا ہے وہ تو یہ کربلا

رہِ عشق میں جو رکھا قدم چلے اس طرح سے بخوف ہم
چلیں حاج جیسے سوئے حرم مُتَسَاعِیاً مُتَھَرّوِلاً

جو رضا تری ثمر اس کا ہے تو سکون و صبر ہیں اس کے گُل
ہے عجیب چیز نہال غم، نہ ہمیں کو شاد اگر پھلا

مری عمر شاد تمام تر اسی گو مگو میں ہوئی بسر
نہ کلام کرنے سے غم گھٹا نہ خموشیوں سے کٹی بلا

غضب نگاہ نے ساقی کی بندوبست کیا ۔ شراب بعد کو دی پہلے سب کو مست کیا
ہے خودی نے کچھ ایسا دلوں کو دست کیا ۔ کسی نے دنیا سے پھیر نہ بود و ہست کیا
۲ ہاں تو حرف قیامت شبیہ سرو کی کیا اصل ۔ غرض کہ اُس قد بالا نے سب کو پست کیا

ذرا ٹلے نہیں ہم تیری بزم سے ساقی   بسر زمانہ کو اپنے بیک نشست کیا
مجھی پہ کیا ہی شکایت ہی جبکہ تو سب کی ہی   کسی نے بھی نہ وفا وعدۂ الست کیا
جُھکا دیا نگہہ ناز نے زمانے کو   ۲ زمانہ ایک طرف ہمتوں کو پست کیا
کوئی خفا ہو تو ہو امر حق مگر یوں ہی   ۳ بتوں کی چال نے سب کو خدا پرست کیا
بہت سے جام تھے پیرمغاں کے پیش نگاہ   ۱ کسی کو نیست کیا اور کسی کو ہست کیا
بلا سے صاف نہ دی یہ شرف نہیں کچھ کم   سیاہ کاروں کو ساقی نے مے پرست کیا

کسی کے آگے سے ساغر نہیں نے کھینچا شاد
مرے خدا نے نہ مجکو دراز دست کیا

آنکھیں تھیں ڈبڈبائی ہوئی خوں ٹپک پڑا   ساغر بھرا ہوا تھا جو چھیڑا چھلک پڑا
شعلہ جو دفعتہً ترے رُخ کا لپک پڑا   دل خار و خس سے خشک سوا تھا دہک پڑا
دل سے اور اُس کے ناوک مژگاں سے چھیڑ تھی   ای زخم تو تو بیچ میں ناحق ٹپک پڑا
اللہ رے شعلہ ریزی رخسارہ ہای گُل   آئی بہار دست و بیاباں لہک پڑا
آیا جو میرے یوسف گل پیرہن کا خط   کیا ذکر ایک گھر کا محلہ مہک پڑا
تو ہو گی اور دربدری ای شب فراق   سو یا کروں گا چین سے میں حشر تک پڑا
ساقی نے آنکھ بھر کے جو دیکھا رہی نہ تاب   کانپا یہ اپنا ہاتھ کہ مینا چھلک پڑا

ای شاد تھا خموش زمانہ سے ہمصفیر
نالہ مرا سُنا جو یکایک چہک پڑا

نہیں ملتا قیامت میں بھی موقع عذر خواہی کا — کھپا جاتا ہوں مُنہ کالا ہوا اپنی روسیاہی کا

زمانے میں تجھے زیبا ہے دعویٰ کج کلاہی کا — پنھایا حُسن نے خلعت تجھی کو پادشاہی کا

دلِ پر آرزو پر سیکڑوں مہریں ہیں داغوں کی — لئے جاتا ہوں اپنے ساتھ محضر بے گناہی کا

نہ پوچھو حال اس پیری میں جو دم ہے غنیمت ہے — بھروسا ہمدمو کیا ہے چراغ صبحگاہی کا

ترے مُنہ پھیر لینے سے قرار اصلا نہیں باقی — بچا ہے ہر طرح سے اضطراب اب موج ماہی کا

گوارا ہوگی رسوائی نہ تجھ کو اپنے بندے کی — تری رحمت نہ موقع دیگی مجھکو عذر خواہی کا

گلہ کیا تیرے جلوے کا کہ عالم آشکارا ہے — ہمیں رونا تو جو کچھ ہے وہ اپنی کم نگاہی کا

نہیں کرتا ہوں ظاہر جرم عشق اعضا یہ بھی اپنے — بچا لیتا ہے پہلو ہر طرح سینے سے گواہی کا

ہے ترک آرزو یا نعرۂ منزل اس محبت میں — ٹھہرتا ہے قدم مشکل سے اس رستے میں راہی کا

رہیں اے شوق گھڑیوں اپنی آنکھیں ٹکٹکی باندھے — دیا موقع نہ اُس چین جبین نے عذر خواہی کا

زبانِ حال سے کہتا ہے ساری داستاں شب کی — رُخِ حسرت زدہ دیکھو چراغ صبحگاہی کا

تن آسانی نے **شاد** آخر بٹھایا لاکے خلوت میں
بہانہ خوب ہاتھ آیا تجھے یادِ الٰہی کا

نہ یاں یاروں کا مجمع تھا نہ مشتاقوں کا میلا تھا — خدا جانے کہاں مرتا تھا میں جب تو اکیلا تھا

گھروندا یوں کھڑا کر تو لیا ہے آرزوؤں کا — تماشا ہے کہ وہ کہہ دیں کہ میں اک کھیل کھیلا تھا

محیطِ غم نے آخر لے لیا اپنے تھپیڑوں میں — یہ دریا تا بہ طاقت یوں تو میں نے خوب جھیلا تھا

ہمیشہ حسرتِ دیدار پر دل نے قناعت کی — بڑے در کا مجاور تھا بڑے مرشد کا چیلا تھا

کہاں دل اور فسونِ عشق کی گھاتیں کہاں یارب　　نہ پڑنا تھا بلاؤں میں ابھی کم بخت اپنا تھا

جہاں چاہے لگے جس دل کو چاہے چور کر ڈالے　　زباں سے پھیک مارا بات تھی ناصح کہ ڈھیلا تھا

تماشا گاہ دنیا میں بتاؤں کیا امیدوں کی

تنِ تنہا تھا میں اے شاد اور ریلوں پہ ریلا تھا

جب کسی نے حال پوچھا رو دیا　　چشمِ تر تو نے تو مجھ کو کھو دیا

بیخودی دل کا پتہ شب سے نہیں　　پھیک آیا میں کہاں کس کو دیا

داغ ہو یا سوز ہو یا درد و غم　　لے لیا خوش ہو کے جس نے جو دیا

کشتِ دنیا کیا خبر کیا پھل پھلے　　تخمِ حسرت تجھ میں اب تو بو دیا

کچھ نہ کچھ اس انجمن میں حسبِ حال　　تو نے قسامِ ازل سب کو دیا

شاد کے آگے بھلا کیا ذکرِ یار

نام ادھر آیا کہ اس نے رو دیا

اب حجابِ تن نہ نیک و بد کا ارماں رہ گیا　　لق و دق پیشِ نظر کوسوں کا میداں رہ گیا

دل بھچک کر صورتِ آئینہ حیراں رہ گیا　　ہائے رے قسمت کہ تو آنکھوں سے پنہاں رہ گیا

جامِ مے پرسا ز ساقی قَبْلَ اَنْ یَّأْتِیَ الصَّبَاح　　اف اگر دل کھول کر پینے کا ارماں رہ گیا

ہائے رے جادو بھری آنکھیں وہ کافر چتونیں　　وہ بڑا مومن تھا قائم جس کا ایماں رہ گیا

تف ہو تیری اس مروت پر بھی اے مہماں سرا　　میزباں دیکھا کیا فاقے سے مہماں رہ گیا

شکوہ کیسا سب کئے کی ہیں سزائیں جھیل جا　　تو گھڑی سہنے کو او بدکار انساں رہ گیا

اللہ اللہ شکر کا کلمہ نہ بھولا مر کے بھی
سر کٹا پر لب ترے بسمل کا جنباں رہ گیا

تن کو چھوڑا روح نے کسب سعادت کو گئی
شیر نکلا صید کو خالی نیستاں رہ گیا

صحبت اس بدکار کافر دل کی اور مجھ سا بشر
سخت حیرت ہے کہ میں کیوں کر مسلماں رہ گیا

یہ وہی سینہ ہے تھی جس میں تمناؤں کی بھیڑ
یہ وہی سینہ ہے جو اب ہو کا میداں رہ گیا

بزم میں جلوے کی تیرے ایک سی حالت رہی
چپ جو تھا وہ چپ جو حیراں تھا وہ حیراں رہ گیا

کچھ وہی اس کو سمجھتا ہے کہ شب کیونکر کٹی
تھک کے رستے میں جو ای شام غریباں رہ گیا

بات تک پوچھی کسی نے بھی نہ اٹھتی بزم تک
شمع گریاں رہ گئی پروانہ سوزاں رہ گیا

کس بری ساعت سے اجڑا کیا بتاؤں بیکسی
آج تک مایوس دل ویراں کا ویراں رہ گیا

اف ہو تجھ پر کہ فرشتے تیرے اوپر ہنس پڑے
تف ہے او انساں جو تو انساں کا انساں رہ گیا

مر کے چونکے، پر نہ ہم دنیا کو بھولے ای اجل
جاگزیں سر میں ہی خواب پریشاں رہ گیا

کچھ نہ پوچھو شاد ان ناچیز مضمونوں کا حال
دل میں اپنے تازہ تر کہنے کا ارماں رہ گیا

نکر یہ دھیان کہ معدوم محض تو ہو گا
برنگ سبزۂ نوخیز پھر نمو ہو گا

زمیں سے اگتے ہیں جیسے نباتات مگر
ترا ظہور یوں ہی ای خجستہ خو ہو گا

وہ جزو لایتجزّا ہے جو تخم ہے تیرا
وہ تخم بڑھ کے یہی جسم ہو بہو ہو گا

ملے گا جیت تجھے اور یہ ہو گا اس کا فیض
مقام جس کا قریب رگ گلو ہو گا

یہ جیت ہی جو حقیقت میں عکس روح الروح
یہ ہم میں ہو کے ہم آیا ہی تجھ میں تو ہو گا

وہ روحِ شمع بھی خورشید بھی سمن بر بھی ‏ اُسی کی لَو ہو ضیا ہو کہ موج نو ہو گا

غرضکہ بھول سا یہ جسم جب ہوا طیّار ‏ عیاں یہ جیت بھی مانند رنگ و بو ہو گا

حریم قدس میں اُس وقت ہو گا تو داخل ‏ ترا بھی مسکن و ماوا مقام ہو ہو گا

اُسی کی ذات میں ہو جائے گا فنا پھر تو ‏ ترا معاملہ تب جا کے ایک سو ہو گا

نہ پوچھ جبکہ تجھے ہو گا وصلِ یار نصیب ‏ مرقع دو جہاں تیرے روبرو ہو گا

سرورِ محض و بقائے دوام و علم لدن ‏ صفات و ذات میں پیدا بصد غلو ہو گا

وہ جا ملے گی تجھے جس پہ سو بہشت نثار ‏ کہیں بہشت پہ فوق اس خجستہ خو ہو گا

اِسی پہ ناز ہے زاہد بہشت میں ہے کیا ‏ یہی کہ مجمعِ حورانِ ماہ رو ہو گا

خیال دل سے ہٹا ایسی مادیت کا ‏ وگرنہ موردِ ایرادِ عقل تو ہو گا

خدا نہ کردہ رہا گر کثیف جامۂ تن ‏ لباسِ نفس بھی محتاجِ شست و شو ہو گا

تعصب و حسد و کینہ و دل آزاری ‏ اسی قبیل کا عصیاں ترا عدو ہو گا

بچا نہ تو اگر اس قسم کے گناہوں سے ‏ تو یاد رکھ کہ معذّب ضرور تو ہو گا

یہی گناہ مرض بن کے پھر ستائیں گے ‏ نہ وقتِ عذر نہ یارائے گفتگو ہو گا

یہ وہ گناہ ہیں دل کو کثیف جو کر دیں ‏ یہی بڑھے تو بشر مر کے زرد رو ہو گا

یہی بنیں گے ترے حق میں عقرب و افعی ‏ خود اپنی آگ میں خاک ای کمینہ خو ہو گا

فرشتے یعنی قویٰ تیرے جو سعید ہیں وہ ‏ کبھی نہ اُن کو ترا پاس آبرو ہو گا

گماں یہی ہے کہ اک مدت طویل کے بعد ‏ جو تو رہا بھی بصد شوق و آرزو ہو گا

اللہ اللہ شکر کا کلمہ نہ بھولا مر کے بھی — سر کٹا پر لب ترے بسمل کا جنباں رہ گیا

تن کو چھوڑا روح نے کسب سعادت کو گئی — شیر نکلا صید کو خالی نیستاں رہ گیا

صحبت اس بدکار کافر دل کی اور مجھ سا بشر — سخت حیرت ہے کہ میں کیونکر مسلماں رہ گیا

یہ وہی سینہ ہے تھی جس میں تمناؤں کی بھیڑ — یہ وہی سینہ ہے جو اب ہو کا میداں رہ گیا

بزم میں جلوے کی تیرے ایک سی حالت رہی — چپ جو تھا وہ چپ جو حیراں تھا وہ حیراں رہ گیا

کچھ وہی اس کو سمجھتا ہے کہ شب کیونکر کٹی — تھک کے رستے میں جو ای شاہ غریباں رہ گیا

بات تک پوچھی کسی نے بھی نہ اٹھتی بزم تک — شمع گریاں رہ گئی پروانہ سوزاں رہ گیا

کس بری ساعت سے اجڑا کیا بتاؤں بیکسی — آج تک مایوس دل ویراں کا ویراں رہ گیا

اف ہے تجھ پر گر فرشتے تیرے اوپر ہنس پڑے — تف ہے او انساں جو تو انساں کا انساں رہ گیا

مر کے چونکے پر نہ ہم دنیا کو بھولے ای اجل — جاگریں سر میں ہی خواب پریشاں رہ گیا

کچھ نہ پوچھو شاد ان ناچیز مضموں کا حال
دل میں اپنے تازہ تر کہنے کا ارماں رہ گیا

نکر یہ دھیان کہ معدوم محض تو ہوگا — برنگ سبزۂ نوخیز پھر نمو ہوگا

زمیں سے اگتے ہیں جیسے نباتات مگر — ترا ظہور یوں ہی ای خجستہ خو ہوگا

وہ جزو لایتجزّی ہے جو تخم ہے تیرا — وہ تخم بڑھ کے یہی جسم ہو بہو ہوگا

ملے گا جیت تجھے اور یہ ہوگا اس کا فیض — مقام جس کا قریب رگ گلو ہوگا

ہو جیت ہی جو حقیقت میں عکس روح الروح — یہ ہم میں ہو کے ہم آیا ہی تجھ میں تو ہوگا

وہ روح شمع بھی خورشید بھی سمندر بھی
اُسی کی لَو ہو ضیا ہو کہ موج تو ہو گا

غرضکہ بھول سایہ جسم جب ہوا طیّار
عیاں یہ جیت بھی مانند رنگ و بو ہو گا

حریم قدس میں اُس وقت ہو گا تو داخل
ترا بھی مسکن و ماوا مقام ہو ہو گا

اُسی کی ذات میں ہو جائے گا فنا پھر تو
ترا معاملہ تب جا کے ایک سو ہو گا

نہ پوچھ جبکہ تجھے ہو گا وصل یار نصیب
مرقع دو جہاں تیرے روبرو ہو گا

سرور محض و بقائے دوام و علم لدن
صفات و ذات میں پیدا بصد غلو ہو گا

وہ جا ملے گی تجھے جس پہ سو بہشت نثار
کہیں بہشت پہ فوق اے خجستہ خو ہو گا

اسی پہ ناز ہے زاہد بہشت میں ہے کیا
یہی کہ مجمع حوران ماہ رو ہو گا

خیال دل سے ہٹا ایسی مادیت کا
وگرنہ مورد ایراد عقل تو ہو گا

خدا نہ کردہ رہا گر کثیف جامۂ تن
لباس نفس بھی محتاج شست و شو ہو گا

تعصب و حسد و کینہ و دل آزاری
اسی قبیل کا عصیاں ترا عدو ہو گا

بچا نہ تو اگر اس قسم کے گناہوں سے
تو یاد رکھ کہ معذّب ضرور تو ہو گا

یہی گناہ مرض بن کے پھر ستائیں گے
نہ وقت عذر نہ یارائے گفتگو ہو گا

یہ وہ گناہ ہیں دل کو کثیف جو کر دیں
یہی بڑھے تو بشر مر کے زرد رو ہو گا

یہی بنیں گے ترے حق میں عقرب افعی
خود اپنی آگ میں خاک ای کینہ خو ہو گا

فرشتے یعنی قُوا تیرے جو سعید ہیں وہ
کبھی نہ اُن کو ترا پاس آبرو ہو گا

گماں یہی ہے کہ اک مدت طویل کے بعد
جو تو رہا بھی بصد شوق و آرزو ہو گا

انھیں نجوم میں ہیں بیشمار دنیائیں — پہونچ کے تو وہیں آوارہ کو بکو ہوگا

یہ اس لیئے ہے کہ باقی کثافتیں مٹ جائیں — بغیر اس کے نہ انساں فرشتہ خو ہوگا

عجب نہیں ہے جو تبدیلیاں وہاں بھی ہوں — پس از زمانۂ بسیار پاک تو ہوگا

سمجھ نہ اس کو تناسخ یہ وہ مسائل ہیں — کھلیں گے اس پہ جو عرفاں کا راز جو ہوگا

معاف کر دے تجھے پہلے ہی یہ ہے ممکن — کہ آخر اُس کا کرم بھی تو حیلہ جو ہوگا

کہے پکار کے یوں آ گناہگار مرے — کروں جو عدل تو رسوائے خلق تو ہوگا

کرم مرا ہے وسیع اس لیئے ترے حق میں — معین و یاور اُمید و آرزو ہوگا

نہ کانپ خوف سے رہ مطمئن مرے پیارے — ترا مقام بھی اب سے مقام ہو ہوگا"

یہ سن کے اپنی خوشی کا ذرا کر اندازہ — کہ اپنے جامہ تن میں نہ میں نہ تو ہوگا

جب اُس بہشت میں اے دوست ہوگا تو داخل — سرور محض کا مرکز جو مو بمو ہوگا

بلند ہوں گے کہیں نغمہ ہائے خیل طیور — کہیں ہجوم حسینان خوش گلو ہوگا

غرضکہ جتنے لذائذ ترے خیال میں ہیں — ہر ایک حاضر و موجود پیش رو ہوگا

یہ استعارے ہیں سب تا کہ تو سمجھ لے جلد — کہ چکھ چکا مستاثر ضرور تو ہوگا

غرض بہشت کی کیا خوبیاں بیان کروں — علی الخصوص مکیں جس مکاں میں تو ہوگا

جو اپنے شاد کو ڈھونڈیگا تو وہیں بھی وہ — غزل سرا کسی گوشے میں قبلہ رو ہوگا

ٹھہر ٹھہر کے بصد درد دھن میں پیلو کی
غزل یہ ورد لب اور پاک و باوضو ہوگا

ہزار مجمعِ خوبانِ ماہ رو ہو گا
نگاہ جس پہ ٹھہر جائیگی وہ تو ہو گا

خوشا وہ دور کہ ہر رند باوضو ہو گا
زباں پہ نام ترا ہاتھ میں سبو ہو گا

غزل سرا جو گلستاں میں جا کے تو ہو گا
ہر ایک نغمہ سرا سرمہ در گلو ہو گا

ہر ایک قطرہ کو گن گن کے خاک رکھ لیگی
نہ اُس گلی میں مرا رائگاں لہو ہو گا

کبھی ملیں گے نہ وہ ای خیالِ محرومی
شریک آ کے جو تو وقتِ جستجو ہو گا

پکارتا ہی یہ پیری میں اپنا جامۂ تن
ہزار ٹکڑے ہوں جس کے وہ کیا رفو ہو گا

کسے لحاظ ہی تحت الحنک کا قاتل کی
رگوں میں دیر سے کھولا ہوا لہو ہو گا

بغیر مے کے بلائے لبس اپنا مُنہ دھو رکھ
کبھی درست نہ زاہد ترا وضو ہو گا

خزاں کے دور کا ہر بونگ ای خدا کی پناہ
جو سُرخ رو ہی وہی پہلے زرد رو ہو گا

شکستہ جام پڑا ہو گا بعد ساقی کے
کہیں زمیں پہ لنڈھکتا ہوا سبو ہو گا

لہو شہیدوں کا ہو رائگاں معاذ اللہ
چمن میں پھول تو پھولوں میں رنگ و بو ہو گا

درشت لفظوں سے توڑے کسی کا دل واعظ
وہ کوئی رند نہ ہو گا ضرور تو ہو گا

میں اپنے ساقی مہ وش کے ہاتھ کے قرباں
کہ جس میں ساغرِ صہبائے مشکبو ہو گا

محیطِ عشق کو ہم دیکھ کر یہ سمجھے تھے
بہت بہت ہوا گہرا تو تا گلو ہو گا

جو ہیں تلاش میں تیری یہ اُن کو سمجھا دے
جہاں پہ بند ہو رستہ وہیں پہ تو ہو گا

محبت مے و میخانہ حد سے جب بڑھ جائے
تو اُس کا نام تعصب نہیں غلو ہو گا

تری تلاش کا فیضان بھی بہت ہی وسیع
کسی پہ تنگ نہ میدانِ جستجو ہو گا

شہیدِ ناز تری لاش جب رواں ہو گی — ہجوم سرو قدانِ کشادہ مو ہو گا

جو آ پڑا کہیں وہ ترک صید ماہی کو — گزوں بلند مسرت سے آبجو ہو گا

ہمیشہ مونس مرحوم یاد آئیں گے شاد
نہ دل سے محو وہ انداز گفتگو ہو گا

دے کے تہی سبو مجھے صبر کا حوصلہ دیا — جس کی طلب تھی ساقیا اُس سے کہیں سوا دیا

باغ بہشت کا سماں دل کو یہیں دکھا دیا — اُس کی زباں پہ ہم نثار جس نے ترا پتا دیا

مل نہ گیا ہو ساقیا دُرد کہیں زلال سے — تو نے ہلا کے جام مے دل کو مرے ہلا دیا

بخش دیا تھا عشق کو صبر گریز پا اگر — حُسن کو تو نے کس لیے غمزۂ دلربا دیا

کچھ نہ کھلا کہ ہو پسند کیوں اُسے بے تعلقی — جس نے تعلقات میں دل کو مرے پھنسا دیا

پیر مُغاں نے مغبچو تم کو دیا تھا جو سبق — تم نے اُسی کا حرف حرف نام خدا بھلا دیا

میرے غریب دل تجھے بھائی مسافرت کی شام — صبح وطن کو شامتی چھوٹتے ہی بھلا دیا

پیر مغاں کا بھی ادب بھول گیا وہ مے پرست — جس نے بھرے سبو کی قدر خاک نہ کی لُنڈھا دیا

اور تو کچھ گلہ نہیں شکوہ یہ ہے کہ ذوق شوق — دشمنِ جان و آبرو ساتھ مرے لگا دیا

بزمِ نشاط دوستاں تیرہ و تار ہو گئی — گل کے چراغ عمر کو کس نے صبا بجھا دیا

جتنے تھے اپنے غمگسار اِس شب تار ہجر میں — پہلے ہی اے فسانہ گو تو نے اُنھیں سُلا دیا

سچ ہے کہ اس سے جو نہ ہو کم ہے وہ اے جمال یار — خوب کیا جو عشق کو طالع نارسا دیا

دردِ شبِ فراق کا میں نہ اُٹھا سکا مزا — تو نے تھپک کے اے اجل جلد مجھے سلا دیا

اب نہ پلٹ کے آئیگی عمر عزیز شاد حیف
دولت لازوال تھی تو نے جسے گنوا دیا

وہ کیسی لذت تھی ای محبت کہ جس نے ہر نقش کو مٹایا
نہ نیست ہونے کا جی میں وہ ڈر کا نہ ہست کا کوئی لطف پایا

نظر میں ویراں ہے بزم عالم بغیر دل کے یہ ہم نے پایا
جو دل پہ الزام ہے گیا کیوں ہمیں نے یاں لا کے کیا بنایا

نہ چین یوں ہے نہ ووں ہے تسکین دل ہے کس طرح کا خدایا
پھنسی ہے آفت میں جان اپنی اب اس نے جی کھول کر ستایا

امید اور وہ بھی کس کی ہے وصال سی شی کی اُف تو کچھ کہہ
ہمیشہ دھوکے پہ کھائے دھوکے ہمیشہ رہ رہ کے آزمایا

اُنھیں جو منظور دیکھنا ہے تو آ کے ایسے میں دیکھ جائیں
لیا سہارا مریض غم نے چراغ رہ رہ کے جھلملایا

کہاں یہ ریش سفید اپنی کہاں جوانوں کی بزم ساقی
عجب بلا ہے یہ شوق کافر ہمیں یہاں تک لگا کے لایا

وہ تیغ تولے کھڑے ہوئے تھے بہت سے موقع تھے یوں تو ہم کو
علاوہ اس کے کہ سر جھکا دیں کچھ اور ہم سے تو بن نہ آیا

بتاؤ للہ مصحفی سے یہ تذکرہ کر رہا ہوں دل کا
یہی وفا تھی یہی مروت کہ پھر کے شامت زدہ نہ آیا

کسی بھی جگہہ جہاں میں ملا نہ جب تو تو مل گیا تو
تلاش خالی گئی نہ اپنی غرض ہے پانے سے تجھ کو پایا

کچھ اقتضا سن کا بھی تو سمجھو کہاں گلی اُس کی اور کہاں ہم
مرے ہوئے دل میں شاد آخر کہاں کا یہ ولولہ سما یا

ہر طرف ہے وہی ہر شے میں ہے جلوا اُس کا
ترک نعمت جو کروں ترک ہے گویا اُس کا

چشم بینا میں کہاں کھبتی ہے دو دن کی بہار
گل جو کھلتے ہیں تو ہنس دیتا ہے شیدا اُس کا

نہ ملے گا وہ کبھی یوں نہ کہو نامہ برو
ڈھونڈھ لے گا کسی تدبیر سے جویا اُس کا

برہمن اپنی سی کہتا ہے تو شیخ اپنی سی
اس دوراہے سے کدھر جائے شناسا اُس کا

اپنی ناکامی کا کیا غم ہے مگر حشر کے دن — کیا قیامت ہے کہ مُنہ دیکھے گی دنیا اُس کا

ہو خفا اُس سے تو جائے کدھر اُس کا عاشق

باغ اُس کا ہے جو ہو **شاد** تو صحرا اُس کا

نہ ابرو نے نہ مژگانِ حجاب آلودہ نے مارا — مجھے ساقی تری چشمانِ خواب آلودہ نے مارا

رُخِ روشن پہ بل کھائی ہوئی زلفوں کا جھک پڑنا — جو سچ پوچھو تو اس ماہِ سحاب آلودہ نے مارا

نگاہِ ناز کا غصہ نہ بھولے گا شہیدوں کو — عجب پھُرتی سے اس تیغِ عتاب آلودہ نے مارا

اُمنڈ آنا اچانک چشمِ حیرت زا میں اشکوں کا — بھری محفل میں اس سیلِ شتاب آلودہ نے مارا

دلِ بریاں لہو رونے کا تیرے کیا کروں شکوہ — مِلا کر زہرِ غم خونِ کباب آلودہ نے مارا

وہ نکہت گیسوؤں کی اور عرق میں تیرے وہ رخسار — سُنگھا کر اپنی بو عطرِ گلاب آلودہ نے مارا

نشیلی آنکھ کا ڈورا تھا ساقی یا سر وہی تھی — ترے رندوں کو اس مست شراب آلودہ نے مارا

پھنسا رکھا ہمیں اس بے بقا دنیا کی لذت میں — بڑھا کر ذوق زہرِ شہدِ ناب آلودہ نے مارا

سبق السّعی منّی کا بھلایا **شاد** کیوں تم نے

گلہ کس کا تمھیں خود پائے خواب آلودہ نے مارا

ہو گئے خوش ناز ہم ایسوں کے اُٹھانے والا — کوئی باقی نہ رہا اگلے زمانے والا

خواب تک میں بھی نظر اب نہیں آتا اے چشم — میرے رو دینے پہ اشکوں کا بہانے والا

ہو گئے دیکھنے والے بھی جہاں سے نایاب — اب دکھائے کسے حیراں ہے دکھانے والا

تیرے بیمارِ محبت کی یہ حالت پہونچی — کہ ہٹایا گیا تکیہ بھی سرہانے والا

کب سمجھتا ہی کہ جینا بھی ہی آخر کوئی شئے
اپنی ہستی تری الفت میں مٹانے والا

آج کچھ شام سے چپ ہی دل محزوں کیا علم
کیوں خفا ہی مرا راتوں کا جگانے والا

سامنا اُس بتِ کافر کا ہی دیکھیں کیا ہو
خود ہی ششدر ہی مرا ایمان بچانے والا

اپنا در بند کرو شاد بقول اکبر
اب سوا موت کے کوئی نہیں آنے والا

پوچھو نہ حال چشم دل آویز یار کا
کھولو نہ راز گردشِ لیل و نہار کا

اُس چشم نیم خواب سے کس کو یہ تھی اُمید
جادو جگائے سرمۂ دنبالہ دار کا

قدرت اُسی کی ورنہ یہ منہ آئینہ کا تھا
جھگڑا چکائے شانہ و گیسوے یار کا

ہم سو نیتے کسے ہیں ہمیں کو نہیں خبر
مالک ہی کون زندگی مستعار کا

ساقی کی چشم مست پہ مشکل نہیں نگاہ
مشکل سنبھالنا ہی دلِ بے قرار کا

نافہم دل نے اور بھی مٹی خراب کی
خوگر بنا کے الفت ناپائدار کا

پردیس میں خیال تک اب دیس کا نہیں
جی لگ گیا ہر ایک غریب الدیار کا

پیغام آ رہے ہیں تواتر وصال کے
ہر ہر نفس فراق میں قاصد ہی یار کا

کس دم طلب کیا مجھے اس پردہ پوش نے
جب نام تک نہیں کفن تار تار کا

کس ناز سے کریں گے حسینانِ باغ رقص
گائیگی عندلیب ترانہ بہار کا

مرجاؤ شوق سے نہ کرو شاد پیش و پس
دل توڑتے ہو کیوں کسی امیدوار کا

نہ ساقی نہ ساغر نہ مینا رہا — فقط خون دل پی کے جینا رہا

نہ آئی مرے بادہ خانہ میں عید — محرم کا بارہ مہینا رہا

فلک نے دیا کب شریفوں کو سکھ — ہمیشہ عدو یہ کمینا رہا

ہر اک زخم میں ہم نے ٹانکے دیئے — فقط دل کے زخموں کا سینا رہا

شریفوں نے کی گو بہت جد و کد — نہ سنورا کمینہ کمینا رہا

دلِ داغ دیدہ کو لے مشتری — کب اس کام کا یہ نگینا رہا

نہ پاسِ زباں اب نہ ویسا ادب — نہ وہ صحبتوں کا قرینا رہا

دیا ہم کو محنت نے آرام کب — جبیں کا قدم تک پسینا رہا

نہ اب مرثیوں کی وہ جلدیں رہیں
نہ غزلوں کا شاد اب سفینا رہا

جنت سے خوش نہیں ہے طلبگار آپ کا — ہے اصل مدعا ہی دیدار آپ کا

حرماں نصیب پھرتا ہے بازار دہر میں — نقد وفا کو لیکے خریدار آپ کا

گردن کمند میں ہو کہ زنجیر میں قدم — آزاد ہر طرح ہے گرفتار آپ کا

آنکھوں میں ہو جو نور تو حاصل ہے آج بھی — کچھ کل پہ منحصر نہیں دیدار آپ کا

سونا اگر ملا کسی گوشے میں چین سے — دیکھیں گے خواب دیدۂ بیدار آپ کا

شکل آپ کی کھچی ہوئی پاتے ہیں چار سمت — آئینہ ہے ہر اک در و دیوار آپ کا

کیا اس معاملہ کے سزاوار ہم نہیں — کیا اور بھی ہے کوئی خریدار آپ کا

نام و نمود کے نہیں جاتا کبھی قریب ہو حق سے دور رہتا ہے سرشار آپ کا

کرتے تھے یادِ غیظ و غضب سے جو شاد کو

حاضر ہے سامنے وہ گنہ گار آپ کا

نالوں کی کشاکش سہہ نہ سکا۔ خود تارِ نفس بھی ٹوٹ گیا

اک عمر سے تھی تکلیف جسے کل شب کو وہ قیدی چھوٹ گیا

تھی تیری تمنا کاہشِ جاں اور درد سے میں دیوانہ تھا

چھالا تھا دل اپنے سینے میں اے وا اسفا وہ پھوٹ گیا

سب اپنی ہی اپنی دھن میں پھنسے تیرا تو نہ نکلا کام کوئی

جو آیا ترے دروازے پر وہ اپنا ہی ماتھا کوٹ گیا

تابوت پہ میرے آئے جو وہ مٹی میں ملایا یوں کہہ کر

پھیلا دیئے دست و پا تو نے اتنے ہی میں بس جی چھوٹ گیا

آیا تو یہی تھا دل میں مرے اور روں ہی پہ کُلّی پھینک بھی دوں

ساقی کا اشارہ پاتے ہی میں زہرِ ستم کو گھونٹ گیا

نازک تھا بہت کچھ دل میرا اے شاد تحمل ہو نہ سکا

اک ٹھیس لگی تھی یوں ہی سی کیا جلد یہ شیشہ ٹوٹ گیا

یوہیں تھا مدنظر خاک میں ملا دینا تو کیا ضرور تھا دل دیکے حوصلا دینا

مزا تو اول و آخر کا چکھ چکا ہوں میں ذرا سی بیچ کی بھی ساقیا پلا دینا

مثال ٹھیک نہیں عرش کی ہی بات کچھ اوٗ — کسی کے دل کو نہ ای آہ یوں ہلا دینا

امید و بیم میں رکھتا ہی انجمن کو صبا — غریب شمع کو رہ رہ کے جھلملا دینا

گلو غضب ہی عنادل غریب کے حق میں — تمھارا عین تبسّم میں مُنہ بنا دینا

کسی کی جنبش گردن سے کم نہ تھا ساقی — سبو اُٹھا کے ترا اک ذرا ہلا دینا

کیا تباہ اسی نے غریب کو ہر طرح

غضب تھا **شاد** کو جینے کا حوصلا دینا

آدمی لذت فانی سے ہم آغوش رہا — ہوش رکھتا تھا پر افسوس کہ بے ہوش رہا

صبر و خودداری و غیرت کا وہی جوش رہا — سر کٹا اُس پہ بھی بسمل ترا خاموش رہا

اف رے تیرا وہ تبسم وہ نگاہیں ساقی — اُٹھ کے ساغر سے بھرے جام کسے ہوش رہا

مدت العمر پہ مشتاق نگاہیں جو ملیں — میں جُدا یار جُدا بزم میں مدہوش رہا

کیوں نہ جھاڑیں تجھے مژگاں سے ہم ای کوچہ یار — تو گزرگاہِ فقیرانِ نمد پوش رہا

دُرد و صافی کا لحاظ آفت جاں تھا ساقی — وائے اُن بادہ کشوں پر جنھیں یہ ہوش رہا

حُسن ای حُسن جُھکا دی مری گردن تو نے — عشق ای عشق تو ہی بار سر و دوش رہا

لڑکھڑا کر جو گرا پاؤں پہ ساقی کے گرا — اپنی مستی کے تصدق کہ مجھے ہوش رہا

آخری جام میں کیا بات تھی ایسی ساقی — ہو گیا پی کے جو خاموش وہ خاموش رہا

بے اجازت نہ دھرا کوچہ جاناں میں قدم — با سعادت تھا وہ عاشق جو ادب کوش رہا

صدقے اُس بزم مقدس کے جہاں راتوں کو — ذکر بدمستی یاران قدح نوش رہا

شاد صد شکر کٹی عمر مگر آج تلک

طرز یاران طریقت نہ فراموش رہا

محبت میں نہ کیوں جی سے گزرتا ۱ مثل سچ ہی کہ مرتا کیا نہ کرتا

تڑپتے گر نہ زیر تیغ بسمل لہو سے کیوں کسی کا ہاتھ بھرتا

مزا کیا ای حباب اس زندگی کا ۲ کہ تو دم بھر کسی کا دم تو بھرتا

مجھے کیوں پوچھ کر بدنامیاں لیں ۳ مجھی پر جو گزرنا تھا گزرتا

اُڑاتا میں نہ اُس کوچہ کی گر خاک تو وہ کیوں روز بن بن کر نکھرتا

مناسب تھا اگر اُلجھا مرا کام بگڑتا اور بھی جوں جوں سنورتا

وہ حکم قتل دیتے گر زباں سے تو ایسی بیکسی سے میں نہ مرتا

شکایت ہائے ہجراں سن تو لیتے ۴ خفا ہوتے مگر میں کہہ گزرتا

شب فرقت الٰہی آسماں سے فرشتہ کوئی جنت کا اُترتا

غضب گہرا تھا بحر عشق ای شاد ۵

جو ڈوبا اس میں پھر کیونکر اُبھرتا

ای عشق اب تو نام نہ لے کبر و ناز کا آخر ہی رات موقت ہی راز و نیاز کا

صانع کو دیکھنا ہی تو عالم پہ کر نگاہ آئینہ آئینہ ہی خود آئینہ ساز کا

جکڑے ہوئے ہیں دونوں جہاں قیدیوں کی طرح اللہ رے سلسلہ تری زلف دراز کا

اُن کی نگاہِ ناز جو پلٹی تو دیکھنا منہ دیکھتی رہے گی حقیقت مجاز کا

ای رند قصد سجدۂ خم کا رہے ضرور — داخل نماز میں ہی تہیۂ نماز کا
دیکھا تو ہوگا ہم نے ازل میں ترا جمال — لیکن وہ کوئی وقت نہ تھا امتیاز کا
اللہ رے بلندی بام ثنائے دوست — ہی پست حوصلہ قلم سرفراز کا
غفلت میں زندگی کا زمانہ بسر کروں — خمیازہ کیوں اُٹھاؤں ترے خواب ناز کا

شائد صف نعال میں تھوڑی سی جا ملے
ای شاد ہم بھی رکھتے ہیں دعوا نیاز کا

خرام ناز میں ڈورا ہی کھتا ہے گردن کا — نہیں اُٹھتا مرے نازک بدن سے بوجھ دامن کا
تہ شمشیر کیا مشکل ہی رکھنا اپنی گردن کا — مگر آساں نہیں پہچاننا قاتل کی چتون کا
کوئی صہبا کشی میں طاق کوئی می پرستی میں — خرابات مغاں میں جمع ہی اُستاد ہر فن کا
کہاں چھوڑا ہی مجھ وحشی کو قاتل نیم جاں تونے — وہ کالی رات سناٹے کا عالم بولتا رن کا
بلائیں میکدے کی دور خم آباد میکش خوش — ہمیشہ جام پر سایہ رہے ساقی کے دامن کا
نکالے بیٹھ کر کانٹے نہ اپنے پائے زخمی سے — کبھی بھولے سے دل توڑا نہ ہم نے اپنے دشمن کا
ترے در سے ہیں دیر و حرم میں کھینچتے کیوں ہیں — نہ لوٹا شیخ کو ہم نے نہ گھر چھینا برہمن کا
اسیر عشق بن کر بھولنا قمری کا ناحق ہی — مزا جب تھا کہ جب گردن میں ہوتا طوق آہن کا
وہ میکش ہوں حیا سے اُٹھ نہیں سکتیں مری آنکھیں — گوارا کب ہی جھکنا بزم میں شیشے کی گردن کا
میں بے بس ہوں مرا آرام ہی غیروں کے ہاتھوں میں — پھر ای پیری زمانہ آگیا اپنے لڑکپن کا
وہ زلف مشکبو لپٹی ہو کانوں کے بندوں سے — سبب کھلتا نہیں ای شاد اپنے دل کی اُلجھن کا

یہ خیال چاہیئے ناز کو کہ محل سمجھ لے حجاب کا
مرے شوق کی نہ سنے اگر تو گلہ عبث ہے نقاب کا

مرے دوستانِ گزشتہ کا نہ بیاں کرو مرے سامنے
جو گلوں کو سونگھ چکے انھیں نہ سنگھاؤ عطر گلاب کا

ترے عاشقوں کی بھلی کہی یہ امنگ ہے اثر عشق میں
کہ وہ کام کرتے ہیں شیب میں کہ جو مقتضا ہے شباب کا

نہ کڑھا مجھے بہت اے زباں ہو خموش عالم شیب میں
تری بات بات ہے مرثیہ مرے مرنے والے شباب کا

وہ جو مر گئے ترے دھیان میں وہ ہیں غرق اپنے ہی حال میں
نہ کریں گے شکر ثواب کا نہ گلہ کریں گے عذاب کا

وہ نگاہ خوگر خشم ہے مرے دل کو تاب کہاں بھلا
کوئی فکر کر مری عاجزی کہ تحمل آئے عتاب کا

یہی آرزو ہے طیں اگر کہیں **شاد** مجلس وعظ میں
کہوں اُن سے کان میں جھک کے میں کہ یہ حال کیا ہے جناب کا

جمے کس طرح اس حیرت کدہ میں اعتبار اپنا
نہ دل اپنا نہ جاں اپنی نہ ہم اپنے نہ یار اپنا

نہ گھر اپنا نہ لوگ اپنے نہ یہ ویراں دیار اپنا
ہم اپنا جانتے ہر چیز کو ہوتا جو یار اپنا

کہیں ارماں کے پھندے ہیں کہیں دانے امیدوں کے
تمنا کرتی ہے کس کس گھات سے ہم کو شکار اپنا

یوں ہی عادت رہی اُن کو اگر دامن جھٹکنے کی
خدا جانے کہاں اُڑ اُڑ کے پہنچے گا غبار اپنا

الٰہی خیر ہو اب کے بہارِ باغ نے پھر بھی
جمایا ہے طرح بلبل کے دل پر اعتبار اپنا

کوئی قطرہ تو خم سے ڈھال لیں یہ اذن کیا ممکن
یہ میخانہ ہے ساقی کا یہاں کیا اختیار اپنا

اگر قاصد حقیقت میں پیام وصل لایا ہے
تو کیوں آنسو بھرے منہ دیکھتا ہے غمگسار اپنا

ضرورت کیا کسی کو اس طرف آ کر گزرنے کی
الگ اے بیکسی بستی سے ہے کوسوں مزار اپنا

خطر کیا کشتی مے کو بھلا شورِ حوادث کا
اِدھر گھبرا کے یا ساقی کہا بیڑا تھا پار اپنا

چھپا لے گا کسی دن عرش تک کو اپنے دامن میں
دکھا دے گا تماشا پھیل کر مشت غبار اپنا

خبر کیا غیب کی غمخوار کو اور یاں یہ عالم ہے
کہا جاتا نہیں اپنی زباں سے حال زار اپنا

نہیں کرتا گوارا راہ روکے دل پہ میل آنا
اڑا کرتا ہے رستے سے الگ ہٹ کر غبار اپنا

ہم اک مہماں ہیں ہم سے دوستی کرنے کا حاصل کیا
نہیں کچھ اس سرا میں اے فسپ غم اعتبار اپنا

کسی صورت سے جلد ایجاد تک اے شاد جا پہونچیں
وہ شاید راستے میں کر رہے ہیں انتظار اپنا

جام بنتا ہے فلک عشق کے میخانے کا
ظرف دیکھو تو اِس اُلٹے ہوئے پیمانے کا

آکے زنجیر کو آنکھوں سے لگاتا ہے کون
کس کے دل میں ہے ادب آپکے دیوانے کا

آنکھیں مل دیدۂ عبرت سے خرابات کو دیکھ
اک زمانہ تھا اس اُجڑے ہوئے ویرانے کا

آئی کس شوق سے اور باغ میں پھولی نہ پھلی
اے کلی کیوں نہو صدمہ ترے مرجھانے کا

لب تک آتی نہیں کیوں اپنی دعائیں بخلوص
دل یہ کہتا ہے کہ در بند ہے میخانے کا

غم میں جو آ نہ سکے دل میں سما جاتی ہے
ظرف دیکھے کوئی اِس چھوٹے سے پیمانے کا

خود چل اس کوچے میں چلنا ہے جو اے پائے طلب
کوئی واں ہاتھ پکڑ کر نہیں لیجانے کا

اور کو دیدیا ساقی نے وہ جام اے میکش
چکھ لیا تو نے مزہ ہاتھ کے پھیلانے کا

قابل مدح ہے تب ولولۂ کسب کمال
دل سے مٹ جائے جب ارمان صلہ پانے کا

حشر میں جو ہے وہ لیتا ہے قدم جھک جھک کر
آج دیکھے کوئی رتبہ ترے دیوانے کا

شاد آخر ہی شب اور پاؤں میں طاقت ہے ابھی

اس سرا سے ہے یہی وقت نکل جانے کا

بہے دل بستگی غم سے بڑھے سوز و گداز اُس کا / گرہ کھُل جائیگی دل کی تو کھل جائے گا راز اُس کا

زیادہ چاہیے دل کو کہ حاصل ہو نیاز اُس کا / بہت دیر آشنا ہے ای جبینِ شوق ناز اُس کا

حدی مجنوں کی تیرے بار خاطر ہو تو ہو لیلےٰ / اُٹھاتے ہیں مزا صحرا نوردانِ حجاز اُس کا

نگاہِ شوق میں کس کا وقار اُس کے برابر ہے / اُٹھائے لاکھ بازاروں میں ذلت سرفراز اُس کا

کہاں ہے اِس کا کوچہ کون ہے وہ کیا خبر قاصد / پر اتنا جانتے ہیں نام ہے عاشق نواز اُس کا

بچا دل کو نہ غافل آتشِ مہر و محبت سے / جبھی تک ہے فروغ اس سوز سے جب تک ہے ساز اُس کا

جفا میں اور وفا میں فرق کرنا سخت مشکل ہے / وہی چاہیں تو ہو عاشق کو حاصل امتیاز اُس کا

کریں دیندار جو کی حلت و حرمت پہ تقریریں / مجھے تو مل گیا ساقی سے فتوائے جواز اُس کا

دل اک محمل نشیں کے ساتھ مدت سے ہے آوارہ / پتہ کچھ ڈھونڈھ کر لکھیں مقیمانِ حجاز اُس کا

نہ چھوڑے جستجوئے یار خضر شوق سے کہہ دو / کسی دِن خود لگا لیگی پتہ عمر دراز اُس کا

نگاہِ فتنہ خو کو آج تک بھولا نہیں ہوں میں / وہ سفاکی وہ بیباکی وہ چالاکی وہ ناز اُس کا

کہاں یہ تاب و طاقت ہے کہ ہم قفل دہن کھولیں / خزانہ کی طرح دل میں لیئے بیٹھے ہیں راز اُس کا

عبث شکوہ کہ موسی چیز کا واعظ ہے کیوں دشمن / بصارت جب نہیں بیشک بجا ہے احتراز اُس کا

ہے کیسی گو مگو کی جا ہم اپنا کس کو ٹھہرائیں / وہ آپ اپنا اُسی کے ہم ہیں ناز اُس کا نیاز اُس کا

حقیقت نے تو اپنی سی بہت کی ہر طرح ڈھانکا / مگر گھبرا کے پردہ کھول دیتا ہے مجاز اُس کا

مبارک ہو کہ وقت نزع وہ بالیں پہ آئے گا / دکھائے گی تماشا دل کو چشم نیم باز اُس کا

اب اس کا ذکر کیا قاصد یہ جو گزری وہ ہو گزری
نہ کہنا اس خبر کو **شاد** سے دل ہو گداز اُس کا

چارہ گر کون زمانے میں ہو چارا کس کا
آپ تو اپنا سہارا ہو سہارا کس کا

آکے ماتھا درِ جاناں پہ رگڑتا ہو کون
ہم بھی دیکھیں کہ چمکتا ہو ستارا کس کا

کار فرما تو ہیں عالم میں یہی موت و حیات
کون سمجھے کہ ہو در پردہ اشارا کس کا

سب تو عاشق ہیں نظر کیوں نہیں یکساں سب پہ
اُن سے پوچھے سبب اس فرق کا یارا کس کا

نظرِ مہر نہیں ایک کی بھی دل پہ مرے
ہو رہے آہ یہ تقدیر کا مارا کس کا

عشق ہو عالمِ امکاں کو محیط اے پیر اک
ڈھونڈھتا پھرتا ہو گھبرا کے کنارا کس کا

کم سہی پھر بھی تو ملتا ہو خوشی کا حصہ
صرف غم کھانے سے ہوتا ہو گزارا کس کا

نالہ کیوں آخرِ شب تو نے کیا اے مہجور
گھر جلا دیتا ہو دیکھیں یہ شرارا کس کا

اِس سرا میں کسی مہمان کی خاطر نہ ہوئی
شاد جی چاہے گا آنے کو دوبارا کس کا

مرا دل ازل سے تھا بے خبر اسے تب سے سوے مزاج تھا
جو عدم سے بھیج دیا ادھر مری غفلتوں کا علاج تھا

تجھے اختیار ہو ہم نشیں اسے سچ سمجھ کہ غلط بتا
کبھی میں بھی رکھتا تھا سلطنت کبھی میں بھی صاحبِ تاج تھا

مری قبر پہ اگر آؤ تم مری غفلتوں پہ نہ جاؤ تم

کہ وطن میں رہ کے ہوں بے وطن مرے ملک کا یہ رواج تھا

دلِ زار اپنا ہے منفسرِ د مرضِ فراقِ حبیب میں
میں بیان کیا کروں چارہ گر کہ جو کل تھا حال وہ آج تھا

شبِ غم میں **شاد** لٹا دیا نہ کیا خیال کہ کیا کیا
دُر و لعل اشک کو کم نہ کہہ کئی سلطنت کا خراج تھا

امید وصل کو دل سے مرے اُکھاڑ دیا فلک نے مفت بنے کھیل کو بگاڑ دیا

جفا و ظلم کا شکوہ بہت کچھ اے امید لکھا تو تھا مگر اُس خط کو میں نے پھاڑ دیا

اُکھاڑ نے سے نہ اُکھڑے نہ ٹالنے سے ٹلے مرے خدا لئے مجھے دل نہیں پہاڑ دیا

مقابلہ رخِ رنگین یار سے ہاؤ بہ صبا نے باغ میں پھولوں کو خود لتاڑ دیا

فلک ترا دل پر داغ نے بگاڑا کیا لگا لگایا ہوا باغ مفت اُجاڑ دیا

دل و جگر کا یہی حال ہے تو سن لینا کہ مجھکو دو میں کسی ایک نے پچھاڑ دیا

ہٹے نہ اپنی جگہ سے ذرا ابھی ہم اے **شاد**
مثالِ سرو قدم اُس گلی میں گاڑ دیا

زلفِ شب کی ہر گرہ میں سربسر تو ہی تو تھا نورِ رخسارِ دل آویزِ سحر تو ہی تو تھا

قیس سے کہدو کہ دھوکا کھا کے آوارہ نہ ہو نجد میں لیلی نہ تھی اے بے خبر تو ہی تو تھا

لطف تو یہ ہے مکان و لامکان و صوت و حرف کچھ نہ تھا سب کچھ تھا یعنی جلوہ گر تو ہی تو تھا

تو نے جب جب ناز سے پوچھا کہ تھا پردے میں کون آنکھ والوں کی بکا اُٹھی [illegible]

وہ جو تسکین کی جھلک سی تھی ہر اک دُکھ درد میں — اُس جھلک میں بھی مری جان جلوہ گر تو ہی تو تھا
کہنے والوں نے کہے اور سُننے والوں نے سُنے — جان اِن سارے فسانوں کی مگر تو ہی تو تھا
غم میں غم شادی میں شادی آرزو میں آرزو — درحقیقت کچھ نہ تھا ای حیلہ گر تو ہی تو تھا

محو کر لیتا دلوں کو **شاد** کی کیا تاب تھی
اِن لبوں پر ای کلامِ با اثر تو ہی تو تھا

سبھی کس نے ہے کون تیری سُنے گا — نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا
زمانہ ہے ہم تو گزر جائیں گے خود — زمانہ مگر آپ کو کیا کہے گا
اِن آنکھوں پہ رکھے نہ دامن اُٹھا کر — یہ دریا ابھی مدتوں تک بہے گا
چلے جائیں گے ہم جو محفل سے تیری — کوئی اور میری جگہ آ رہے گا
بہت کم تھا جو دیکھ کر ہم چلے ہیں — وہ دیکھے گا سب کچھ یہاں جو رہے گا
یوں ہی شام ہو گی یوں ہی صبح ہو گی — یہی رات دن کا تماشا رہے گا
جو کرنے کی باتیں ہیں ای دل وہی کر — زمانہ تجھے جو کہے گا کہے گا
ترا نام کیوں لیں غیر لے میرے آگے — مرا دل بھی دل ہے کچھ آخر کہے گا
عدم کے مصائب کا دل کو خطر کیا — یہاں سہہ رہا ہے وہاں بھی سہے گا
فلک کے تلے دب کے رہ جائیں گے ہم — سروں پر یہ گنبد ضرور آ رہے گا

یہ دنیا ہے ای **شاد** ناحق نہ اُلجھو
ہر اک کچھ تو اپنی سی آخر کہے گا

ردیف تاے فوقانی

محو ہیں اپنی جگہ آسودگان کوے دوست
آرزو دل میں ہے۔ دل آنکھوں میں آنکھیں سوے دوست

زندگی تا چند محراب دعائیں کاٹیے؟
کاش اک دن ذبح کر چھوڑے خم ابروے دوست

نکلے آتے ہیں زمیں سے پھول کس کس رنگ کے
شعبدے دکھلا رہی ہے نرگس جادوے دوست

لاشۂ عریان عاشق کا کوئی دیکھے وقار
ڈھانکتی ہے اُٹھ کے کس الفت سے خاک کوے دوست

دیکھیے کب ہو پذیرا ہم گنہگاروں کی عرض
دل دھرے ہاتھوں کے اوپر ہیں نظر ہے سوے دوست

کس کی قدرت کون سمجھے اِن اشاروں کو بھلا
خلوت اسرار دل ہے۔ گوشۂ ابروے دوست

دہر میں کیا کیا ہوئے ہیں انقلاباتِ عظیم!
آسماں بدلا زمیں بدلی نہ بدلی خوے دوست

کس خوشی سے تہنیت دیدے کے یوں کہتا ہے دل
وصل کی شب ہے مبارک دست کو پہلوے دوست

شاد اہل شک یوں ہی شک میں پڑے رہ جائیں گے
ہم انھیں آنکھوں سے اک دن دیکھ لیں گے روے دوست

ردیف راے مہملہ

پھر گئے راستے سے وہ گرد و غبار دیکھکر
رہ گئی میری بےکسی سوے مزار دیکھکر

رنج و الم میں کون دے ساتھ بلانصیب کا
چھوڑ دیا اُمید نے دل کو فگار دیکھکر

گزرے ہوئے گلوں کی شکل آنکھوں میں اپنے پھر گئی
اور بھی دل تڑپ گیا اب کی بہار دیکھکر

وصل و فراق کی خبر کچھ بھی نہیں بتاؤں کیا
چھا گئی بےخودی یہاں نامۂ یار دیکھکر

شاد خلش جو دل میں تھی اُس کا بیان کروں میں کیا

اُن کے گلے میں صبح کو رات کا ہار دیکھکر

ردیف میم

سر پہ کلاہ کج دھرے زلف دراز خم بخم
آہوئے چشم ہی غضب ترکِ نگاہ ہی ستم

عشوۂ دلگداز وہ ۔ ذبح کرے جو بے چھری
ناز وہ دشمنِ وفا رحم کی جس کو ہی قسم

وقت عزیز جو گیا اُس کا محال ہی جو
جتنے زمانے طی کیئے طی ہوئی منزل عدم

نرگسِ پُر خمار یار کرتی ہی کام زہر کا
بادۂ خوشگوار میں گھول دیا کسی نے سم

طولِ کلام بے محل شاد اگرچہ عیب ہی
لکھتے کچھ اور حالِ دل حیف کہ رک گیا قلم

ڈھونڈھوگے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہی جس کی حسرت و غم اے ہمنفسو وہ خواب ہیں ہم

میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہی آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

ہی دل میں ترپتے جی بھر کر پر ضعف نے مشکیں کس دی ہیں
ہو بند اور آتش پر ہو چڑھا سیماب بھی وہ سیماب ہیں ہم

اے شوق پتہ کچھ تو ہی بتا۔ اب تک یہ کرشمہ کچھ نہ کھلا
ہم میں ہی دل بیتاب نہاں ۔ یا آپ دلِ بیتاب ہیں ہم

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا ہی

آجاؤ جو تم کو آنا ہو ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

دل ہی میں اپنے لے صبا دل کی اس آرزو کو ہم — دے نہ سکے پیام کچھ طرۂ مشکبو کو ہم
اُن کے پیام پر وثوق ہو تو ہمیں بہت مگر — روک رکھیں کہاں تلک جانِ بہانہ جو کو ہم
اشک بھر آئے جس جگہ اُٹھ گئے اُس مقام سے — آج تلک بچائے ہیں عشق کی آبرو کو ہم
سینہ تنگ ہو گیا دامنِ دشت سے فزوں — دل میں بہت لئے رہے عشق کی ہاؤ ہو کو ہم

شاد بہت ہیں غفلتیں بزم میں اہل بزم کو
دیں گے یہی غزل کسی مطرب خوش گلو کو ہم

ردیف نون

ناز کرشمہ ساز کیوں غمزۂ دل نواز کیوں — سب تو ہیں تیرے مبتلا اُس پہ یہ امتیاز کیوں
ہم سے اگر ہوا نہ ضبط ہم نے کیا جو کچھ کیا — ہم پہ اگر نہ تھا وثوق ہم سے بیانِ راز کیوں
قامتِ فتنہ خیز کو خواہش حشر کس لئے — بازیٔ نو کی فکر میں نرگس نیم باز کیوں
اِس کے اُجاڑنے کی فکر خود ہمیں مدتوں تھی — دل کا مرے عدو ہوا نالۂ جاں گداز کیوں

شاد سخن کی جان ہے بادہ و نغمہ و سرور
آپ تو شعر کہتے ہیں آپ کو احتراز کیوں

جسم کا ساتھ چھٹا آپ سے باہر ہم ہیں — اب تو اپنے لئے اک غیر سے بدتر ہم ہیں
زندگی جن کے سبب سے تھی وہ سب چھوٹ گئے — آج تک عالمِ اسباب میں کیونکر ہم ہیں
تھک گئے پاؤں گئی دربدری شکر خدا — اب یوں ہی تا بہ قیامت ترے در پر ہم ہیں

حُسن و عشق ایک ہیں ظاہر میں فقط ہیں دو نام | یہ اگر سچ ہو تو کیا اُن کے برابر ہم ہیں
تا قیامت رہے آئینہ سلامت یا رب | ہر حسیں کو ہو یہ دعوےٰ کہ سکندر ہم ہیں
کان مشتاق ہیں آنکھوں کی طرح مدت سے | دے دو آواز کہ اس پردے کے اندر ہم ہیں
دشت اُمید کی جانب جو بڑھاتا ہوں قدم | موت آہستہ یہ کہتی ہو کہ سر پر ہم ہیں
عقل سے راہ جو پوچھی تو پکارا یہ جنوں | وہ تو بھٹکی ہوئی خود پھرتی ہو رہبر ہم ہیں
دل یہ کہتا ہی ہمیں دیکھ کتابوں پہ نہ جا | قدرتِ صانعِ مخلوق کے دفتر ہم ہیں

پھر تو ہو جائینگے بازار جہاں میں مہنگے
شاد ارزاں ہیں جبھی تک کہ میسر ہم ہیں

ہوں گی زیادہ اس سے بھی عشق میں جگ ہنسائیاں | دل نے تو آپ مول لیں اپنے لئے بُرائیاں
حسرتِ عرض مدعا خوب ہوئی ہمیں نصیب | بات کا بھی نہیں جواب بل بے تری رکھائیاں
پڑکے لحد میں ہاں دلا چین کر اب تو حشر تک | ایک جفا کی سختیاں تو نے بہت اُٹھائیاں
فصل خزاں ہو بد بلا اس سے خدا پناہ دے | مُنہ پہ صبا کے بھی گلو چھٹنے لگیں ہوائیاں
ترچھی نظر سے لیکے کام پھیر کے مُنہ چلے گئے | ہائے رے کم نگاہیاں ہائے رے کج ادائیاں
حشر میں رند تھے خموش صحبت مے سے چھوٹ کر | پیر مغاں کو دیکھ کر دینے لگے دہائیاں

وقت خدا نخواستہ پڑ جو گیا تو سب خلاف
شاد کہاں کسی کو یاد اگلی تری بھلائیاں

کہاں گُلوں کے وہ تختے وہ لالہ زار کہاں | بہار میں تو نظر لگ گئی بہار کہاں

نہ کیجئے مرے دل سے سخن محبّت کے
ذرا ہوا ہی یہ ظلم بخت اعتبار کہاں

چمن میں گل بھی ہیں غنچے بھی بلبلیں بھی مگر
بہارِ عمر تھی جن سے وہ غمگسار کہاں

جو بار بار تقاضا ہی کچھ تو ہو معلوم
نکل کے جائیگی سینہ سے جانِ زار کہاں

کچھ اختیار ہی؟ مالک عروج دے جس کو
وہ شہسوار کہاں اور مرا غبار کہاں

گیا وہ وقت دلا آگ لگ گئی اُس میں
نصیبِ دیدۂ حیراں کو انتظار کہاں

جو دل میں دھیان ہو دیکھے گا خواب میں بھی ہی
ہم اُٹھ کے یار کو کیا ڈھونڈھنے ہیں چلے یہ کہاں

بدن سے روح چلی شادؔ سوئے کوچۂ یار
جواب خط کا بھلا اسکو انتظار کہاں

مرتے ہیں جو قاتل پہ وہ مرتے ہی نہیں ہیں
ہستی سے کسی حال گزرتے ہی نہیں ہیں

ساقی نہیں کیونکر نہ پڑیں حلق میں پھندے
ہم لاکھ پئیں گھونٹ اترتے ہی نہیں ہیں

لو مان لیا ہم نے نزاکت بھی ہر اک چیز
ایسا ہو تو وعدہ کبھی کرتے ہی نہیں ہیں

گیسو ترے ٹھہرے ہیں حقیقت میں بلا کے
کنگھی سے جب اُلجھے تو سنورتے ہی نہیں ہیں

کیوں صاحبو سچ ہی کہ رحمت کے فرشتے
کیا ہجر کی راتوں کو اُترتے ہی نہیں ہیں

چوری سے بھی جب جب یہ حسیں لیتے ہیں دل کو
لاکھوں میں بھی پوچھو تو مکرتے ہی نہیں ہیں

وہ بھی کوئی عاشق ہی جسے موت کا ہو خوف
جز ہجر کسی اور سے ڈرتے ہی نہیں ہیں

آگے سے نہ اُٹھ جائے لگا رکھتے ہیں اتنی
ہم جام کو خالی کبھی کرتے ہی نہیں ہیں

پیراک وہی بحرِ محبت کے ہیں ای شادؔ
ڈوبے تو کسی حال اُبھرتے ہی نہیں ہیں

بس آپ گرد کدورت سے دل کو صاف کریں
جو بھول چوک ہوی ہو اسے معاف کریں

رقیب جمع ہیں چہرے پہ ڈال لیں وہ نقاب
ادب ضرور ہو مصحف کو باغلاف کریں

اُدھر سے بھی تو عطاؤں کی چاہیے افراط
جو ہم بہت سی خطاؤں کا اعتراف کریں

بس اب یہی ہو زمانہ اسی کی ہو تعریف
ہمارا طرز اُڑائیں ہمیں سے لاف کریں

یہ بزم وہ ہو جو کوسوں سے کھینچ لاتی ہو
حریف لاکھ اگر ہم سے انحراف کریں

جو اُس کے در پہ جھکے ہیں خلوص سے ای شاد
ہم اُن کے کعبۂ دل کا نہ کیوں طواف کریں

خضر کیا ہم تو اس جینے میں بازی سب سے جیتے ہیں
دم اب اُکتا گیا اللہ اکبر کب سے جیتے ہیں

ہمیں پیغام برنے کچھ تو ایسی ہی خبر دی ہو
کہیں کیا تجھ سے ای ناصح کہ کس مطلب سے جیتے ہیں

کسی حالت نہ ہم سے بڑھ سکے گی رات فرقت کی
کہ ہم بازی سیہ بختی میں بھی اس شب سے جیتے ہیں

دم اپنا گھٹ کے کب کا ہجر جاناں میں نکل جاتا
ہوا خواہی شور نعرۂ یارب سے جیتے ہیں

اسے باور کرا ای غمخوار کب کے مر گئے ہوتے
پیام وصل جب سے سُن لیا ہو تب سے جیتے ہیں

زباں قابو میں ہو سُننے کو تشبیہیں سُنے جاؤ
نزاکت میں بھلا کب برگ گل اُس لب سے جیتے ہیں

عبث دریافت کرتے ہو سبب اس سخت جانی کا
خدا جانے کہ ہم ای شاد کیوں اور کب سے جیتے ہیں

اُنھیں دیکھو کہ اب تک غفلتوں سے کام لیتے ہیں
ہمیں دیکھو کہ بے دیکھے اُنھیں کا نام لیتے ہیں

ہم اپنے ہاتھ میں جب جب لبالب جام لیتے ہیں
تو ہر ہر گھونٹ پر ساقی کا اپنے نام لیتے ہیں

ستم ڈھاتی ہی جب جب آہ سینے میں [illegible] ہی — [illegible]

کہا دل نے مرے ہنس کر جو نقد داغ ہاتھ آیا — ادھر ہم کام کرتے ہیں ادھر انعام لیتے ہیں

لحاظ حرمت بنت العنب کرتے نہیں اصلا — وہ میکش ہاتھ میں جو بے وضو کے جام لیتے ہیں

نگاہ ناز سے قیمت چکاتے ہی نہیں دل کی — غرض ہی جس گھڑی جو کچھ ملے وہ دام لیتے ہیں

کوئی جام سفالیں دُرد کا دیتا ہی تب ساقی — جما ہی بیٹھ کر جب صبح سے تا شام لیتے ہیں

نصیحت اور ہی اور سرزنش کچھ اور ہی ناصح — عبث چڑتا ہی تو ہم کیا کسی کا نام لیتے ہیں

حسینوں کی محبت کام تھا عالی خیالوں کا — یہ جنس ارزاں ہوئی ایسی کہ خاص و عام لیتے ہیں

نظر بھر کر کہاں ساقی کی آنکھیں دیکھنے پائے — یہ تہمت مفت سر پر رند مے آشام لیتے ہیں

کبھی مضطر کبھی محزوں کبھی وحشی کبھی بے خود — تعجب ہی ہم ایسے دل سے کیونکر کام لیتے ہیں

نئے دکھ میں پھنسا تا ہی فلک اے شاد یا قسمت

جو بھولے سے بھی نام راحت و آرام لیتے ہیں

جہاں تک ہو بسر کر زندگی عالی خیالوں میں — بنا دیتا ہی کامل بیٹھنا صاحب کمالوں میں

زباں میں حلق میں سینے میں اک مدت سے کانٹے ہیں — خدا جانے بھری تھی کس غضب کی آگ نالوں میں

خرابات مغاں میں ہر طرف گویا شفق پھولی — مے گلرنگ سے آئی جو سرخی اُن کے گالوں میں

مری آنکھوں سے دیکھو حسن صورت کے علاوہ بھی — بہت سی خوبیاں ہیں اور بھی صاحب جمالوں میں

بہار باغ حسن یار کو کیا کیا بڑھاتی ہی — چمک اُس چمپئی رنگت کی اُن ہاتھ آبالوں میں

مرے پہلو سے آخر اُٹھ گیا غمخوار گھبرا کر — بہت مشکل ہی آکر بیٹھنا آشفتہ حالوں میں

جو آنکھیں ہوں تو چشم غور سے اوراق گل دیکھو   کسی کے حسن کی شرحیں لکھی ہیں ان رسالوں میں

غم اس الجھاؤ سے چھٹنے کا اے دل مجکو ناحق ہے   وہ کیا تیرے لئے کنگھی نہ کرتے اپنے بالوں میں

خوشا وہ صدر میں جن کو جگہ وہ شاہ خوباں دے

ہمارا ذکر کیا اے شاد ہم ہیں خستہ حالوں میں

جہاں میں ہر جگہ مسکن مرا ہے وہ مکیں ہوں میں   عجب اک گو مگو کی جا ہے ہوں اور پھر نہیں ہوں میں

سمجھ لے اپنی تسکیں کے لئے خلوت نشیں ہوں میں   تجھے اے آنکھ والے کیا غرض اس سے کہیں ہوں میں

نہ زیر آسماں ہوں میں نہ بالائے زمیں ہوں میں   یہ ہونا بھی کوئی ہونے میں ہوتا ہے نہیں ہوں میں

جفائے یار کا ہے شکوہ واجب اس پہ بھی چپ ہوں   شکایت کے بھرے ہیں دل میں دفتر عیب بیں ہوں میں

لیا دست جنوں سے کام اب تک خاک بیزی کا   نہ بیجا ہاتھ ڈالا پردہ دار آستیں ہوں میں

غضب اشکوں کی ہیں طغیانیاں بے گھر نہ ہوں کیونکر   گرے دیوار اس کی چار دن جس میں مکیں ہوں میں

عبث ہوتی نہیں خلوت نشینی باکمالوں کی   مرا شہرہ ہے بالائے زمیں زیر زمیں ہوں میں

یہ کوئی لاغری میں لاغری ہے سچ بتا ہمدم   پتہ ملتا نہیں ڈھونڈھے سے بھی شاید نہیں ہوں میں

گلہ واماندگی کا کیا ہے قسمت کی شکایت ہے   کہ میرا کارواں منزل پہ جا پہونچا یہیں ہوں میں

غلط ٹھہراؤں کیونکر شاد میں دنیا کے نقشے کو

خدا ناکردہ کیا غیروں کی صورت نکتہ چیں ہوں میں

غضب کے رنج یہ صاحب جمال دیتے ہیں   زباں ہلاؤں تو ہنس ہنس کے ٹال دیتے ہیں

ہے اب یہ چھیڑ کہ بستر اٹھا گلی سے مری   کبھی یہ غیظ و غضب وہ نکال دیتے ہیں

تمام دن میں کئی بار ہم کو رو لینا / یہ اشک کچھ تو کدورت نکال دیتے ہیں
زبان حال خط شوق سے زیادہ ہی / یہ بات کان میں قاصد کے ڈال دیتے ہیں
جو کوئی ہوتا ہی ناکام بعد محنت کے / تو لوگ سُن کے ہماری مثال دیتے ہیں
وہی تو کرتے ہیں خود ہم سے وعدۂ فردا / وہی تو بھول بھلیاں میں ڈال دیتے ہیں

جو دیں سوال پہ اُن کی سند نہیں ای **شاد**
وہی کریم ہیں جو بے سوال دیتے ہیں

ردیف واو

نقاب اک دن اُلٹ دینا تھا اس رخ دلارا کو / ہم اپنا سا بنا لیتے کبھی تو اہل دنیا کو
کرم پیر مغاں کا مجھ پہ ہی سب سے سوا لیکن / کفِ اغیار میں دیکھا ہی ان آنکھوں سے دنیا کو
نگاہ شوق مجنوں فرش سے تا عرش جاتی ہی / کہاں تک پردۂ محمل چھپائے روئے لیلےٰ کو
لباسِ اہل تقویٰ پر نہیں کچھ منحصر واعظ / کہیں کیا ہم نے کس کس بھیس میں دیکھا ہی دنیا کو
زمانہ چاہتا ہی وزن ہر شے کا برابر ہو / گھٹا دیتا ہی اعلےٰ کو بڑھا دیتا ہی ادنےٰ کو
گہر کانوں کے جھک آئے ہیں اُس کے روئے روشن پر / کہاں ہی آسماں صدقہ کرے عقد ثریا کو

جو اُن کو بے حجاب ای **شاد** دیکھا چاہتے ہو تم
جِلا دو اور بھی آئینۂ قلب مصفا کو

ردیف ی

گھبرا کے یہی کہتے ہیں اب عمر رواں سے | پہونچا دے وہیں گھیر کے لائی تھی جہاں سے

ہم بیخود و وارفتہ چلے بزم جہاں سے | دل کھول کے واقف نہ ہوئے سود و زیاں سے

کس وقت چھٹی تھی کہ وہ شے پھر نہ ملی حیف | دن کتنے ہوئے کرو حساب اس رمضاں سے

خود ڈھال کے پی لی ترا ای حرص برا ہو | شرمندہ کیا تونے مجھے پیر مغاں سے

یہ جنس تمنا کہیں برباد نہ ہو جاے | رکھ دیں گے وہیں جاکے اٹھائی تھی جہاں سے

یہ بات کچھ اپنے ہی سمجھنے کی ہی قاصد | مطلب نکل آتا ہی نہیں کا کہیں ہاں سے

تا صاف بھی دی ہی تمھیں ساقی نے تو رندو | لے لو بہ ادب کچھ نہ کہو پیر مغاں سے

حوروں کی ثنا رند جو کرتے تو سند تھی | یہ ذکر برا لگتا ہی واعظ کی زباں سے

جو بات کہ گزری ہی وہی گزریگی اب بھی | اب بھی تو وہیں جاتے ہیں آئے تھے جہاں سے

گھبراتے ہو کیوں شاد ابھی عمر بڑی ہی
کیا کیا تمھیں سہنا نہیں ناصح کی زباں سے

تامرگ دل نے بات نہ مانی طبیب کی | اتنی تو بات رہ گئی حضرت نصیب کی

شہنا ہیں اک جھلک ہی ادائے عجیب کی | پہچانتا ہوں خوب صدا ہی قریب کی

چھپتا نہیں ہی کرشمہ چشمان فتنہ خیز | صورت ہی آپ شاہد عادل رقیب کی

غیبت سے احتراز مناسب ہی ای زباں | کب تک سنیں یہ کان شکایت نصیب کی

ای شاد دل غریب کا خوں ہو کے بہہ گیا | گل نے کسی طرح نہ سنی عندلیب کی

پرے ہی عرش سے ای سوز عشق راہ تری
لگائی جا کے کہاں آگ اُف پناہ تری

کسی طرف نہ جھکا تیرے آستاں کے سوا
گیا وہ کام سے جس پر پڑی نگاہ تری

نہ دی نہ دی تجھے ساقی نے رہ خموش ای رند
بھرے خموں کو ہلا دے کہیں نہ آہ تری

ہمارے ساتھ عدو بھی تڑپ کے رونے لگا
کدھر سے اُٹھ کے کہاں جا پڑی نگاہ تری

نہ بیٹھ بزم میں تو میکشوں کے بالا دست
مٹا نہ دے کہیں عزت یہی گناہ تری

شہیدِ تیغِ تبسّم ہی منتظر بیکار
بس اب نہ پلٹے گی پلٹی ہوئی نگاہ تری

مری دعا میں لگا دیگی پر مری تقدیر
ہزار عرش سے اونچی ہو بارگاہ تری

لگائے بیٹھی ہی ہر دل میں آرزو بستر
جگہہ نہو تو کہاں گھر کرے نگاہ تری

تجھ ایسے رُاندۂ درگاہ کی وہاں پرسش
زہے نصیب خوشا قسمت ای گناہ تری

قرار کیوں ترے واماندگان راہ کو ہی
پلٹ کے کچھ تو خبر دیگئی نگاہ تری

وہاں تو حُسن کا جلوہ ہی اور در و دیوار
یہاں ترس گئے صورت کو بھی ہم آہ تری

اگر حیا ہی تو ہے عمر بھر کو رو ای چشم
بس اک نگہہ کی خطاوار ہی نگاہ تری

یقیں ہی **شاد** کی بگڑی ہوئی سنور جائے
پڑے جو اس پہ اچٹتی سی اک نگاہ تری

مست وہ ہی کہ جسے الفت می ذاتی ہی
یوں تو کہہ دینے کو ہر رند خراباتی ہی

مصحفِ رُخ کی زیارت کی دُھن اللہ اللہ
تھی بڑی چیز مگر ہاتھ سے اب جاتی ہی

فیصلہ بُلبل و گُل کا کوئی کس طرح کرے
وہ اِدھر چپ ہی وہ اپنی سی اُدھر گاتی ہی

رو کشادہ رہی تو دونوں جہاں میں ای روح ۔ اب نکلتے ہوئے پردہ سے حیا آتی ہی
میکدہ چھوڑ کے دوں ساتھ ترا ای دُنیا ۔ بیسوا دور ہو مجھ مست کو بہکاتی ہی
تجھ پہ ای پھول مری جان تصدق تجھ سے ۔ اپنے بچھڑے ہوئے ہم درد کی بو آتی ہی
خوش ہو اس طرح کا بیمار شفا سے کیونکر ۔ زندگی بھاتی ہی جس کو نہ اجل بھاتی ہی
جنبش ابروے خمدار کا پوچھو نہ سبب ۔ یہ کماں خود بھی بلا وجہ کڑک جاتی ہی
چشم الفت سے وہ دیکھیں بھی تو بھولو نہ کبھی ۔ پہلے کچھ کچھ وہ نگہہ صید کو پر جاتی ہی
آخر اس سینے میں ارماں کوئی ہی بھی کہ نہیں ۔ سانس جو آتی ہی پیغام قضا لاتی ہی

یہ دعا ہی کہ ہو آساں شب غم کی مشکل
شاد اب روح بہت جسم میں گھبراتی ہی

نہ چھیں اس عقل کے ہاتھوں نہ آسائش ذرا پائی ۔ بشر کے جسم میں ای روح کیوں کیسی سزا پائی
پتے کی سُن کے خوبانِ جہاں برہم نہوں مجھ سے ۔ نہ ہمدردی نہ اُن کی ذات میں ہم نے وفا پائی
محبت خاص نعمت اُس کی ہی او آدمی سُن رکھ ۔ یہ عزّت تو نے بیشک اپنے رتبہ سے سوا پائی
ترا پیرو اگر پتھر کو چھو دے وہ بھی پارس ہو ۔ ترے نقشِ قدم کی خاک ہم نے کیمیا پائی
نہ دیکھے ای چمن دو پھول تجھ میں ایک صورت کے ۔ جو صورت مل گئی بو باس دونوں کی جدا پائی
نہ رگڑے ایڑیاں بیمار الفت کہہ دو مر جائے ۔ کہیں ہم نے نہ اس دُکھ کی دوا اس کے سوا پائی
اُسی کے پاس بیٹھے سرد سرد آہیں جو بھرتا تھا ۔ وہیں بستر لگایا جس جگہ ٹھنڈی ہوا پائی
جہاں پہونچے شہیدانِ وفا کے خوں کی بو آئی ۔ قدم جس جس جگہ رکھے زمینِ کربلا پائی

بہت کچھ پاؤں پھیلا کر بھی دیکھا **شاد** دنیا میں
مگر آخر جگہ ہم نے نہ دو گز کے سوا پائی

آنکھوں سے سدھاری بینائی سُننے سے مُعطّل گوش ہوئے ۱
جب ہوش تھے تب مدہوش رہے جب ہوش نہیں تب ہوش ہوئے

شب عمر کی گزری ہم بزم ہو گر چپ نہ رہیں کیا مُنہ سے کہیں ۲
تھے شمع صفت اس محفل میں جب صبح ہوئی خاموش ہوئے

آنکھوں سے ہماری تا دامن اشکوں نے بڑھائے اپنے قدم
جو طفل نظر میں پلتے تھے اب زیب دہِ آغوش ہوئے

جی بھر کے چڑھائی ہو جس نے بیجا نہیں اُس کی سرمستی
اُن ایسوں پہ ہاں حیرت ہو کہ جو بے جام پیئے مدہوش ہوئے

آسان جہاں ہو مرنا تک چھڑواتے ہیں ناصح وہ کوچہ
کیا خوب مرے ہمدرد ہوئے کیا خوب محبت کوش ہوئے

ہم بزم تھے شب بھر جو میکش آج اُن کا پتہ افسوس نہیں
کس بن میں ہوئے سب گوشہ گزیں کس کوہ میں سبزہ پوش ہوئے

کس درجہ شہیدوں کو تیرے مقتل میں تڑپنے کی تھی ہوس
آخر کو یہاں تک خوں اُبلا آلودہ بہ گلِ سب جوش ہوئے

کیا وجہہ کہ گل ہنستے ہی رہے رونے ہی میں گزری شبنم کی

پوشیدہ رہے بلبل پہ وہ سب جو ذکر کہ گوشا گوش ہوئے

ناقدری زمانے نے بخشا ثمرہ یہ علوّ ہمت کا

جویائے سری تھے سرجن کے لت خوردہ صد پاپوش ہوئے

غفلت کدہ ہے یہ میخانہ ساقی ہے یہاں کا بے پروا

کیوں **شاد** تمھیں آئی نہ حیا کیا سوچ کے تم مینوش ہوئے

بڑھے جاتے ہیں دُکھ یہ عمر جوں جوں گھٹتی جاتی ہے
مگر میں سوچ کر خوش ہوں کہ بیڑی کٹتی جاتی ہے

زبانِ حال سے کہتا ہے تقوا میرے زاہد کا
میں کب ہٹتا مگر خود مجھ سے دُنیا ہٹتی جاتی ہے

تعلق یار سے روح رواں کا مٹ نہیں سکتا
زباں ہو یا نہو یہ نام پیارا رٹتی جاتی ہے

سکھانا علم کا غیروں کو اپنا سیکھنا سمجھو
یہ دولت اتنی ہی بڑھتی ہے جتنی گھٹتی جاتی ہے

پہاڑ اس عمر کا ٹالے نہ ٹلتا تب شکایت تھی
گلہ کیسا بہر صورت جب اپنی کٹتی جاتی ہے

پسند آئے نہ کیونکر بیسوا دنیا کی خودداری
ہٹیں ہم جس قدر اس سے یہ ہم سے ہٹتی جاتی ہے

شبِ آخر ہے ذرا غنچوں کو دیکھا اور خوش ہو او بلبل
ترے نالوں سے کم بختوں کی چھاتی پھٹتی جاتی ہے

عروسِ باغ کو پیوندِ فصلِ گل مبارک ہو
ملا کر دُوسرے رشتوں کو الفت بٹتی جاتی ہے

برابر جانیے الفت کا پلہ میرا اور اُس کا
نہ ہے قسمت کہ اب ساقی سے میزان پٹتی جاتی ہے

ہے مجرم میری پیری **شاد** دنیا کا گلہ ناحق

میں اُس سے ہٹتا جاتا ہوں وہ مجھ سے ہٹتی جاتی ہے

نظر ٹھہرا کے دیکھ او نقش باطل دیکھنے والے
سمجھ اس نقش باطل کا بھی حاصل دیکھنے والے

وہ خنجر یوں ہزار انداز معشوقانہ دکھلائے ۔۔۔ نہ دیکھیں گے پلٹ کر سوئے قاتل دیکھنے والے

تغافل کا ترے شکوہ تو ہی سارے زمانے کو ۔۔۔ مگر کچھ اور ہی سمجھے ہیں عاقل دیکھنے والے

قیامت کر رہی ہیں وہ نگاہیں شرم آلودہ ۔۔۔ ہوئے جاتے ہیں بے شمشیر گھایل دیکھنے والے

لئے جاتا ہی طوفاں اور جانب تیری کشتی کو ۔۔۔ ذرا آنکھیں پھرا ای سوئے ساحل دیکھنے والے

کوئی جا حُسن کے جلوہ سے عالم میں نہیں خالی ۔۔۔ بڑی حیرت ہی کس کس پر ہوں مائل دیکھنے والے

ہر اک جلوے کے پردے میں بھی لاکھوں لاکھ جلوے ہیں ۔۔۔ کرشمے تیرے کیا دیکھیں گے جاہل دیکھنے والے

ذرا تقدیر کے بھی مسئلہ کو دیکھ کھول آنکھیں ۔۔۔ حقارت کی نظر سے سوئے سائل دیکھنے والے

نہ جب تک قیس سا وحشی ملے پردہ نہ اُٹھے گا ۔۔۔ عبث چلاتے ہیں لیلیٰ کی محمل دیکھنے والے

حقیقت میں وجود اپنا بھی ہی ہم بھی مقر ہیں ۔۔۔ مگر سمجھے ہیں یہ بھی زعم باطل دیکھنے والے

وہ شی باقی کہاں جس شی کی سب کو بدگمانی ہی ۔۔۔ ٹٹولیں آکے سینے کو مرے دل دیکھنے والے

جھلک کچھ کچھ نظر آئیگی گو پردوں پہ پردے ہیں ۔۔۔ ہوس گر ہو تو آئیں میرے شامل دیکھنے والے

نہیں کچھ خوف رستے کا مگر ای خضر ڈر یہ ہی ۔۔۔ نہ ہمت ہار بیٹھیں بُعد منزل دیکھنے والے

طلب کرتے نہیں ساقی سے گو افراط سے مے ہی ۔۔۔ زباں روکے ہوئے ہیں رنگ محفل دیکھنے والے

نہ اِن غزلوں کو یوں ضائع کرو ای **شاد** رہنے دو
وہ دیکھیں گے جو ہیں کامل سے کامل دیکھنے والے

یہی جی میں خوش کہ دلِ داغ دار باقی ہی ۔۔۔ وہ گھات میں کہ جو ٹیلا شکار باقی ہی

تجاہلِ نگہہ جاں شکار باقی ہی ۔۔۔ شہید شوق تری یادگار باقی ہی

مجھے تو حشر کی آتی ہے دیکھئے کیا ہو — یہ ایک وعدۂ نا استوار باقی ہے

نگاہ ناز تو مستوں کو کر چکی مدہوش — وہ آئے بزم میں جو ہوشیار باقی ہے

سحر قریب ہے گھبرا نہ جسم میں اے روح — یوں ہی سی اور شب انتظار باقی ہے

ترے اسیر چھٹے قید جسم سے تو کیا — اک اور معرکۂ گیرودار باقی ہے

ہما بھی کا نہ مقتل کی پوچھئے احوال — ہر اک کو فکر کہ میری پکار باقی ہے

ہنوز مثبت حق ہے یہ خامۂ دو زباں — ہنوز معجزۂ ذوالفقار باقی ہے

مسرت شب امید تیری عمر دراز — کہ اپنے ہوش میں اک بیقرار باقی ہے

کھلے تھے بال جنازے پہ کب مگر اب تک — کفن میں نکہت گیسوئے یار باقی ہے

نہ رات کٹتی ہے کم بخت امیدواروں کی — نہ دل کو حوصلۂ انتظار باقی ہے

مٹے ہوؤں کی طرف کیوں کشش سی ہے دل کو — یقیں ہے کچھ تو میان مزار باقی ہے

کہاں مفر کہ ہنوز اس نگہ کے قبضے میں — حسام سرمۂ دنبالہ دار باقی ہے

وہی ہے کاوش مرغولہ ہائے طرۂ دوست — وہی تطاول شبہائے تار باقی ہے

سمجھ کے دیتا ہے ساقی شراب رندوں کو — ہنوز فرق یمین و یسار باقی ہے

چلے نہ جائیں وہ مقتل سے دھو کے خنجر کو — پکار دو کہ اک امیدوار باقی ہے

تمھیں دکھائیں گے باغ سخن کی اپنے بہار
جو شاد زندگی مستعار باقی ہے

سوا اُس نازنیں کے کب کوئی دل میں سماتا ہے — پلٹ جاتا ہے اُلٹے پاؤں جو آنکھوں تک آتا ہے

نظر خاں

اُٹھا لو جام کو رندو وبالِ جاں ہی مینا
مجھے ہنستا ہوا ساقی کا چہرہ یاد آتا ہی

بتا دے ہجر میں ای نالۂ دل کیا کیا تونے
مجھے اُو بے حیا او نحس پھر صورت دکھاتا ہی

وہ اور قاصد سے میری حال پرسی ہی میں مانوں گا
میں سمجھا ای خیالِ یار تو باتیں بناتا ہی

محبت کرکے میں حسرت زدہ کس گو مگو میں ہوں
نہ تجھ کو صبر ای دل اور نہ رونا مجھ کو آتا ہی

سرا کے سب در و دیوار کس حسرت سے کہتے ہیں
کمر کس اُٹھ کھڑا ہو ای مسافر وقت جاتا ہی

مری دیوانگی ناصح کا عاقل بن کے سمجھانا
اس افسانے کو جو سنتا ہی گھڑیوں مسکراتا ہی

نکل کر دل کا جانا اپنے پہلو سے قیامت تھا
یہ کون آتا ہوا شامت زدہ برسوں سے آتا ہی

یہ کیا کہتا ہی ای ناصح کہ اب کے یوں نہیں یوں کر
ہزاروں کو پڑھا چھوڑا ہمیں کو تو پڑھاتا ہی

بُرا تھا پھر دوبارہ مانگنا اور جھڑکیاں کھانا
میں کیا کرتا مجھے تو روٹھنا ساقی کا بھاتا ہی

وہ چاہے دور یا نزدیک ہو میدان قیامت کا
یہ شامت کس کی ہی سوتے سے اُٹھ کر کون جاتا ہی

ہزاروں معرکے جھیلا کیا ہی **شاد** اُس پر بھی
زمانہ آج تک ای کہنہ مشقی آزماتا ہی

بشوق دام میں لا کر قفس میں بند کرے
خوشا وہ صید کہ صیاد خود پسند کرے

اکڑ رہی ہی وہ زلف دراز شانوں پر
اُسی کی شان ہی وہ جس کو سربلند کرے

گھٹا کے دام خریدار نے لگائے تو کیا
وہ مال ہوں کہ ہر اک جس کو ناپسند کرے

پھنسائے ہی مجھے وہ زلف عنبریں جس طرح
خُدا کسی کو نہ اس طرح مشک بند کرے

تف ایسے قتل پہ مجھ سخت جاں کے او قاتل
کہ بڑھ کے غیر تری آستیں بلند کرے

یہ مجھ اسیر پہ صیاد کو بھروسا ہی — کہ پر کو کھول کے ٹوٹے قفس میں بند کرے
کسی کا ناز اُٹھانے سے کیا غرض دل کو — اگر وہی مجھے اپنا نیاز مند کرے
کہاں کا قصد ہی ای آہ آفریں تجکو — دعا یہ ہی تری ہمت خدا دوچند کرے
وہ شہہ سوار جو آجائے خاک پر میری — صبا کی طرح سبک خیزیاں سمند کرے
یہاں تلک ہوا آلہی دراز وہ گیسو — کہ آہوان حرم تک کو مشک بند کرے

سُنا کرو اُسے ای **شاد** جو کہے واعظ
سنور لے آپ تو منبر پہ جاکے پند کرے

شیخ ذکرِ گلشنِ فردوس فرمانے لگے — رفتہ رفتہ تیرے کوچہ کی طرف آنے لگے
دیکھ لو پھولوں کو غنچو غور سے تب مسکراو — کس بشاشت سے کِھلے اور کِھل کے مرجھانے لگے
شرم رکھ لے ای خدا میری شہادت گاہ میں — دست و بازو بے طرح قاتل کے تھرانے لگے
کُھل گئی واعظ کی قلعی ای ریا کیا شی ہی تو — ہم کو سمجھاتے وہ کیا ہم اُن کو سمجھانے لگے
خلد میں بھی کیا یہی چیزیں نمائش کی ہیں چند — کچھ دنوں رہ کر وہاں بھی دم نہ گھبرانے لگے
رکھ نہ اپنے وقر کی اُمید پیری میں دلا — سب کی آنکھوں سے گرے وہ گل جو کمہلانے لگے
دے کے میخواروں کو می ساقی نے کیوں اُلٹی نقاب — رہ گئے آخر لبو ہیں ہونٹوں سے پیمانے لگے
بزم کی افسردگی کا اُس گھڑی پوچھ نہ حال — شمع رخصت ہو کے جب وقت سحر جانے لگے
ہوش جب جب تھے ٹھکانے سے نہ آیا تب خیال — موت جب سر پر ہوئی موجود پچھتانے لگے

شاد تو ہینیں کجا اور پایہ منبر کجا

پند کیا کرتے کہ واعظ ہو لیاں گانے لگے

لبوں پہ رندوں کے میکدہ کی شکایتیں ہیں مدام باقی ۱
بقدر حاجت ہر اک کو مے دی ہر اک ہے پھر تشنہ کام باقی

مصیبت ہجر کاٹنی ہے قضا کے بس میں ہے دل کو دینا
بلائے شب آرہی ہے سر پہ یہ ہیں سا ہے وقت شام باقی

ہوا کا جھونکا ہے یہ زمانہ جدھر کیا رخ اُکھاڑ پھینکا ۳
بہت سے ایسے مٹے کہ جن کے نہ نام باقی نہ کام باقی

گرے تو ہیں لڑکھڑا کے لیکن اسی طرف رخ کئے پڑے ہیں ۳
ہے دل میں مستوں کے میکدہ کا ابھی تلک احترام باقی

تری طرف ملتفت ہوں واعظ کسے غرض تیری کیا حقیقت
کلام والوں کو ہے ابھی تک کلام حق میں کلام باقی

جو آئے کعبہ سے میکدہ میں تو ہم نے بدلا نہ اپنا مشرب
وہی ہیں سجدے اُس آستاں کے وہی قعود و قیام باقی

یہ سوچ کر خوش ہوا ابھی سے کہ جسم کا بوجھ ڈھو چکے ہم
ابھی نہیں روح کو فراغت ابھی بہت سے ہیں کام باقی

یہی ہے ساقی جو کال مے کا تو سن لے میں خوش مرا خُدا خوش
اس اک مہینے پہ کیا مقرر رہے ہمیشہ صیام باقی

ہو کعبۂ دل کی شان دو سے خلوص نیت صفائے باطن
مناسک حج ادا ہوں کیونکر نہوں جو رکن و مقام باقی

چلے جو صیاد کی ہمیشہ تو باغ عالم ہو دم میں ویراں
ہوا کا جھونکا کچھ ایسا آیا نہ صید باقی نہ دام باقی

بدل گیا رنگ میکدہ کا یہی ہو دور آخر ساقی
نہ اپنی حالت میں اب ہو ساغر نہ اپنے بس میں ہو جام باقی

جلال اے عشق ہم نے تیرا غضب بہ روز نشور دیکھا
جو ہم لگے عرض حال کرنے رہا نہ شور عوام باقی

جہاں میں ساقی رہے ہمیشہ رجا بجا تیرا بادہ خانہ
جو تم ہو باقی تو مے ہو باقی جو مے ہو باقی تو جام باقی

برا اس افراط شوق کا ہو کہ صبح سے شام تک یہی ہو
"پیام بر کو پکار دینا کچھ اور بھی ہیں پیام باقی"

اٹھوں اٹھوں قبر سے میں جب تک زوال خورشید حشر کا تھا
رہا پہر پہنچنے تلک نہ میرے صلائے دیدار عام باقی

نہ بیٹھو اے **شاد** ہو کے غافل اٹھو اٹھو دور کا سفر ہو
بہت سے ساماں ہیں جمع کرنے ابھی بہت سے ہیں کام باقی

جو روح واقف آغاز و انتہا ہوتی   عبودیت کو ہو کیا دخل خود خدا ہوتی

ابد تلک اگر اس دہر کو بقا ہوتی — تو انتہا کو پہونچ کر پھر ابتدا ہوتی

نہ ملتے ہاتھ چمن میں جو پھول کیا کرتے — زبان گنگ سے کیونکر تری ثنا ہوتی

لہو سے اپنے جو ہوتا وہ تھا وضو ای شیخ — ۳ وہی نماز تھی جو زیر تیغ ادا ہوتی

تھکا ہوا ترا رہرو کہیں تو دم لیتا — کہیں تو چھاؤں درختوں کی اک ذرا ہوتی

ترے غبار نے مجکو مٹا دیا ورنہ — کبھی ہماری محبت نہ خود نما ہوتی

عدم میں بھی کشش حسن ہو وہی ای دوست — کہیں تو جا کے محبت کی انتہا ہوتی

غریب شہر تھا میں اہل شہر سب غافل — اس اجنبی کی طرف چشم مہر کیا ہوتی

جہاں میں آنے کو آتیں ہزار ہا صبحیں — مگر نہ شام جدائی کی انتہا ہوتی

بہار خلد کو دنیا پہ ہم فدا کرتے — اگر گرہ تری زلف رسا کی وا ہوتی

تری تلاش میں ہم نے لٹا دی خاک میں عمر — تو ہی بتا کہ یہ کم بخت رہ کے کیا ہوتی

دیا خطاب بھی خلعت بھی شاہ نے زر بھی
اب اس سے بڑھ کے مری قدر شاد کیا ہوتی

نہ سر میں سودا نہ دل میں آہیں نہ لب پہ ساقی فغاں رہے گی
یہی جو ساماں ہیں یہ نہ ہوں گے تو پھر محبت کہاں رہے گی

بنا چلا ڈھیر راکھ کا تو جلا چلا اپنے دل کی لیکن
بہت دنوں تک دبی دبائی یہ آگ ای کارواں رہے گی

بہت سے تنکے چنے تھے میں نے نہ مجھ سے صیاد تو خفا ہو

قفس میں گر مر بھی جاؤں گا میں نظر سوئے آشیاں رہے گی
تو کیا میں ای یاس بے بصر ہوں خدا نے آنکھیں مجھے نہیں دیں
اگر شب وصل ہو جہاں میں تو مجھ سے مخفی کہاں رہے گی

ابھی سے ویرانہ پن عیاں ہو ابھی سے وحشت برس رہی ہو
ابھی تو سنتا ہوں کچھ دنوں تک بہار ای آشیاں رہے گی

میں خیر خواہ جہانیاں تھا جنازہ نکلے گا جس گلی سے
تو اُس گلی میں کئی دنوں تک صدائے آہ و فغاں رہے گی

اُمید اور یاس کا تذبذب خدا نہ کردہ جو ہو عدم میں
تو پھر کہیں کا نہیں ٹھکانا جو یہ بلا بھی وہاں رہے گی

جو اُن کی مرضی وہ اپنی مرضی یہی اگر روح نے نہ سمجھا
ہمیشہ ہم کو ستائے گا دل ہمیشہ نوبت بجاں رہے گی

زمانہ جن کو مٹا چکا ہو مٹائے جاتا ہو آج تک بھی
جئیں گے اک روز مر کے پھر وہ اُنھیں کی ہمّت عیاں رہے گی

نہ پیس ڈالے گا دل کو جب تک نہ خون کر دے گا آرزو کا
نمک یہ ہوگا کلام میں کب یہ کن زبان میں کہاں رہے گی

اک اور لکھوا سنی میں میں غزل کہ ہو عشرتی کی خاطر
یہی وہ نالے ہیں جن کی شہرت زمیں سے تا آسماں رہے گی

بدن میں جب تک ہی روح باقی تری محبت نہاں رہے گی
لگی کو کیونکر بجھاؤں گا ہیں یہ آگ تا استخواں رہے گی

مری تمنا کو گر وہ سن کر جناب موسےٰ کا ذکر چھیڑیں
تو صاف کہنا یہ اُن سے قاصد کہ تاب نظارہ ہاں رہے گی

گلوں نے خاروں کے چھیڑنے پر بجز خموشی کے دم نہ مارا
شریف اُلجھیں اگر کسی سے تو پھر شرافت کہاں رہے گی

ہزار کھچ کر جدا ہو مجھ سے ہزار دوری ہو میرے تیرے
جو اک کشش حسن و عشق میں ہو مرے ترے درمیاں رہے گی

یہی ہی شادی و غم کا مرکز اسی سے طبعی موانست ہی
کسی جگہ روح بھی نکل کر اسی فضا میں نہاں رہے گی

بہار کی ہوگی آمد آمد ترانے گائیں گی بلبلیں سب
جلو میں ہوں گے گلوں کے تختے نسیم آگے رواں رہے گی

ہزار نقش قدم مٹا کر زمانہ آنکھوں میں خاک ڈالے
جو تجھ سے چھوٹے ہیں اُن کو تیری تلاش ای کارواں رہے گی

گزشتہ باتوں کا بھول جانا نہیں ہی ای دوست کوئی آساں
رہی نہ خوش روح جسم میں جب عدم میں کیا شادماں رہے گی

نہ ضبط کر آنسوؤں کو اپنے جہاں تک ای چشم ہو سکے رو

کہ پھر تو آخر نہیں خبر کچھ کہ ہم کہاں تو کہاں رہے گی

بہت سے پھونکے درخت تو نے بہت غریبوں کے گھر جلائے

تری نشانی تو جنگلوں میں بہت دن ای کارواں رہے گی

بہت سے پھولیں گے غنچہ و گل یہی تو اس باغ کی روش ہے

چڑھائے جائیں گے آگ پر جو انھیں کی خوشبو عیاں رہے گی

اِسی میں مجبور عشق بھی ہے کہ تو ہے معشوق میں ہوں عاشق

یہی دوئی تو ہے جو ہمیشہ مرے ترے درمیاں رہے گی

وہ چاند سا منہ وہ کالی ناگن زمانہ کہتا ہے جس کو گیسو

جو چھیڑتا ہے تو سن لے ناصح رہے گی یاد اُس کی ہاں رہے گی

بلا کی ترچھی نظر ہے برّاں ہو ایک استاد مانتا ہوں

وہ تیغ سادہ ہی ہے جس کی شہرت یہاں سے تا اصفہاں رہے گی

جو مانگیں ساقی سے جام ہم تو دو پہ موقوف کیا ہے دس بھی

مُصر جو ہے بار بار ابھی خود یہ بات باقی کہاں رہے گی

اجل سلا دیگی سب کو آخر کسی بہانے تھپک تھپک کر

نہ ہم رہیں گے نہ تم رہوگے نہ **شاد** یہ داستاں رہے گی

گر مجھے بھی پر پرواز میسّر ہوتے کیوں صبا باغ کے گرد مرتبہ چکر ہوتے

زلف مشکیں کا تعلق ہے خدا کی رحمت حیف اُس پر جو یہ سودا نہ رکھے سر ہوتے

دل دھڑکتا ہی جو پڑھتا ہی اٹک کر قاصد — کاش فقرے مرے خط کے اُسے از بر ہوتے
پردۂ چشم نے روکا مجھے اے شوق وصال — ورنہ کچھ سوچ کے ہم آپ سے باہر ہوتے
تجھ سے پیغام زبانی تو بھلا سن لیتے — یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ پیمبر ہوتے
ساتھ دل کے جو نہ اُمید لگا رکھتا ہیں — پھر یہ حضرت کہیں ڈھونڈھے بھی میسر ہوتے
کس سے اس دل کی کہیں خانہ خرابی افسوس — اب کہیں اور بسر کرنے لگا گھر ہوتے
دلِ مایوس کو بھی ساتھ لیا نالوں نے — یوں نہ ہوتے اثر انگیز تو کیونکر ہوتے
تھا یقیں روح کو تو ہی اسی ہستی میں مقیم — ورنہ اب تک تو عدم کے کئی چکر ہوتے
ناصحا منہ سے پھر آواز نکلنی تھی محال — وہ حقیقت میں جو ایسے ہی ستمگر ہوتے

شاد وہ اپنی زباں سے جو کبھی پڑھ دیتے
یہی مصرعِ مرے فولاد کے نشتر ہوتے

سوچ کر اور بھی جی کھونا ہی — ہو رہے گا وہی جو ہونا ہی
اُن کا کیا ذکر کہ جن کے آگے — عرض احوال گِلہ رونا ہی
میل آجائے شرافت پہ ہزار — جب کسوٹی پہ کسو سونا ہی
پھینک اے روح خرابے میں کہیں — جسم کا بوجھ عبث ڈھونا ہی
سب سمندر کو بتاتے ہیں محیط — آستیں کا مری اک کونا ہی
آج اِس جسم سے مِل لے اے روح — کل تو پھر تجھکو جُدا ہونا ہی
غیر چکھیں نہ کہیں پھل اس کا — اب عبث تخم وفا بونا ہی

ناز اتنا نکر ای خونِ گلو — ہاتھ قاتل کو ابھی دھونا ہی

شاد وہ کہتے ہیں دل لیں گے ضرور

تیرے انکار سے کیا ہونا ہی

بت کدہ ہو کہ خرابات ہو یا مسجد ہو — ہر جگہ آپ سے مطلب ہی خدا شاہد ہی

منحصر کیا ہی فقط پیرِ مغاں پر ساقی — جو خرابات میں آیا وہ مرا مرشد ہی

رات دن تیرے تصوّر میں فقط محو رہے — کچھ زباں سے نہ کرے ذکر وہی عابد ہی

بام پر وہ ہیں ہر راہ لگی ہی اک بھیڑ — محو اُس حسن پہ ہر صادر و ہر وارد ہی

نہ مصلّے کی ضرورت ہی نہ ممبر درکار — جس جگہ یاد کریں تجکو وہی مسجد ہی

سرد مہری پہ زمانے کی نہیں کچھ موقوف — ولولہ جب نہ رہا قصد ترا بارد ہی

آشیاں سے کہیں اب اُڑکے نہ جاو بلبل — کچھ چمن پر نہیں عالم کی ہوا فاسد ہی

بادۂ ناب کا اک جام لبالب پی کر — پھر ساقی سے نہ مانگے وہ بڑا عابد ہی

جام مے دے مجھے بھر کر تو کرم ہی ساقی — یہ بھی گو میری قناعت کے لئے زائد ہی

جو بھلائی ہی حسینوں کی طرف ہی منسوب — جو برائی ہی وہ عاشق کی طرف عائد ہی

نظم دنیا کا جو پاتا ہی ہمیشہ یکساں — دل پکار اُٹھتا ہی اپنا کہ خدا واحد ہی

اتفاقات سے پیش آتے ہیں جھگڑے ای **شاد**

ورنہ دشمن کوئی میرا نہ کوئی حاسد ہی

شراب ناب کی قیمت اگر سوا ہو جائے — تو ہم سا رند بھی ای شیخ پارسا ہو جائے

قیامت آئے وہ گیسو اگر رسا ہو جائے — اسی پہ کیا نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے
بس انتہا ہے کہ بندہ بنا لیا اُس نے — اب اور چاہتے کیا ہو بشر خدا ہو جائے
خلوص دل سے اگر کام میں نہ لوں ناصح — مری وفا اُسی بیدرد کی جفا ہو جائے
جو ہے یہ قصد کہ جھگڑا چکائیں مدت کا — تو یوں ستا کہ ستانے کی انتہا ہو جائے
کوئی کہاں متبرک جہان میں ایسا — اُلش ضرور ہے ساقی سے ابتدا ہو جائے
ضعیف وزار یہاں تک بنا مجھے اے فکر — کہ ہاتھ میں جو اُٹھا لوں قلم عصا ہو جائے
سنیں وہ یا نہ سنیں مرحبا تجھے اے شوق — بیانِ حال کرا اتنا کہ بھر گلا ہو جائے
جہاں میں کس کا بھروسا رہے غریبوں کو — خدا نخواستہ گر موت بھی خفا ہو جائے
شب فراق سے ڈر طالب اجل خاموش — یہ بددعا کہیں ایسا نہو دعا ہو جائے
بپا ہے شور حوادث سے ہر طرف طوفاں — بدن سے روح نہ گھٹ کر کہیں ہوا ہو جائے

اثر یہ نام میں ہے اُس مسیح کے اے **شاد**
کہ سنکھیا بھی جو کھا لوں تو دُکھ ہوا ہو جائے

ہزاروں آرزوئیں ساتھ ہیں اُس پر اکیلی ہے — ہماری روح بے بوجھی ہوئی اب تک پہیلی ہے
بڑھاپا ہو تو ہو اس ربط میں کیونکر خلل آئے — مری یاس و تمنا بچپنے سے ساتھ کھیلی ہے
اجل بھی ٹل گئی دیکھی گئی حالت نہ آنکھوں سے — شب غم میں مصیبت سی مصیبت ہم نے جھیلی ہے
عدم کا تھا سفر درپیش توشہ جب نہ ہاتھ آیا — بہت سی نامرادی چلتے چلتے ساتھ لے لی ہے
ذرا دیکھے کوئی اُترے لٹے چہروں کو پھولوں کے — معاذاللہ جھونکا ہے خزاں کا یا کہ سیلی ہے

ہماری اور گلوں کی ایک ہی نشو و نما لیکن　　وہاں مُٹھی میں زر ہی اور یہاں خالی ہتھیلی ہی

نہ پوچھو **شاد** ویرانی کو دل کی کیا بتاؤں میں
تمنا جا چکی حسرت غریب اس میں اکیلی ہی

یہ شرط آپس میں کی تھی میں نکلتی ہوں کہ تو پہلے　　مگر کی روح نے سبقت نہ نکلی آرزو پہلے

اُٹھا لے اپنے چہرے سے نقاب ای یار تو پہلے　　دم اپنا بعد نکلے گا نکل لے آرزو پہلے

دم آخر ہوا کیا ای خدا میری تمنّا کو　　جُدا ہوتی ہی پھولوں سے خزاں میں رنگ و بو پہلے

چُھپی اک سانس جس دن سے کئے رکھتا ہوں بند آنکھیں　　رہا کرتی تھیں یہ بد خو نگاہیں چار سو پہلے

یہ میخانہ ہی کیوں پروا نہو حفظ مراتب کی　　ذرا ساقی سے پوچھو جام پہلے یا سبو پہلے

اگر ان عاشقوں کو جان بحق تسلیم کرنا ہی　　مسلماں ہیں بٹھا لے زیر خنجر قبلہ رو پہلے

ترے قربان ساقی بزم کی ترتیب پھر کرنا　　ذرا مستوں کے آگے رکھ تو دے جام و سبو پہلے

بہائیں اشک اُس کوچہ میں یا سجدہ کریں در پر　　نماز ای شیخ پڑھتے ہیں کہ کرتے ہیں وضو پہلے

دکھایا قتل کا دن گر مجھے ای **شاد** قسمت نے
تصدق ہو گا قاتل پر مرا خونِ گلو پہلے

مشقت کے سوا کیا مل گیا مشقِ سخن کر کے　　عدو چاروں طرف پیدا کئے ہم نے یہ فن کر کے

کہا سب کچھ حریفوں نے اِدھر رو ئے سخن کر کے　　مگر بیٹھے ہیں خاموشی کو ہم قفلِ دہن کر کے

قفس میں سوزِ غم سے میں اگر صیاد مر جاؤں　　اُڑا نا خاک میری رو بدیوار چمن کر کے

کسی پتّے کے لب پر بھی اگر نام خزاں آیا　　نکالا باغباں نے اُس کو رُسوائے چمن کر کے

خط اپنے حال کا لکھ کر لفافہ میں نے یوں رکھا
لٹا دیں خاک پر جس طرح میت کو کفن کر کے

جو ہونا تھا ہوا اے فصل گل کم بخت بلبل پر
تجھے کیا مل گیا گلچیں کو رسوائے چمن کر کے

گئے ہم مفت میں بگڑا نہ کچھ شیخ و برہمن کا
مرے ہاتھوں سے کھویا اس صنم کو ما و من کر کے

اگر شک ہو تو پوچھو ان عدم کے آنے والوں سے
کسی کو بھی نہ آسایش ہوئی ترک وطن کر کے

جوانی بھی نہیں پیری ہے کچھ دن اور مہماں ہوں
بتا ناصح کروں کیا چارۂ زخم کہن کر کے

ملے آرام شاید شادؔ دل کو دشت غربت میں
ارادہ ہے کہ کچھ دن دیکھ لوں ترک وطن کر کے

اشاروں ہی میں کچھ اپنا تو کام کر لیتے
وہ دیکھتے نہ ادھر ہم سلام کر لیتے

چلے وہ آنکھوں سے دل میں تو یوں جگر نے کہا
زہے نصیب جو یاں بھی قیام کر لیتے

فراق یار نے بیوجہ اتنی کی تکلیف
ہم اپنے مرنے کا خود اہتمام کر لیتے

رسائی ہوتی اگر میکدہ تلک اپنی
تو ہم غریب بھی کچھ قرض و وام کر لیتے

لنڈھاتے موسم گل میں خموں پہ خم ساقی
یہ وقت کام کا تھا کچھ تو کام کر لیتے

کسی طرح سے تو دور فراق کٹ جاتا
یہ دن پہاڑ سا اے شادؔ شام کر لیتے

مری زندگانی کا سودا گراں ہے
کٹے تو زیاں ہے بڑھے تو زیاں ہے

یقیں گر نہیں تیرے وعدوں کے اوپر
تو کس طرح قائم زمیں آسماں ہے

جنوں لے گیا اس برس زور دل کا
یہ کیا ہے کہ جو آہ ہے ناتواں ہے

نکیرین تربت میں کیا پوچھتے ہیں　خدا جانے اس دم طبیعت کہاں ہے
نہ کھو جاؤں کس طرح تیری گلی میں　نکلنے کا رستہ نظر سے نہاں ہے
نہ پایا تجھے جب تو ہم تھک کے بولے　وہ عالم کوئی اور ہے تو جہاں ہے
سلامت رہے اپنی تربت کا گوشہ　کہ ہم بے گھروں کا یہی اک مکاں ہے
نہیں تفرقہ کوئی عشق و جنوں میں　نسب ایک ہے ایک ہی خانداں ہے

صدائے جرس شاد آتی نہیں کیوں
بہت دور شاید مرا کارواں ہے

اعضائے بدن سب مضطر ہیں اس دل کے شہادت پانے سے
لشکر میں تلاطم برپا ہے سردار کے مارے جانے سے
جو بات تصور میں بھی نہ ہو وہ خانہ خراب اس عشق سے ہو
پتھر کو خدا تک کہنے لگا انسان اسی بہکانے سے
جز خاک گرہ میں خاک نہیں حسرت میں ہے وہ بھی آلودہ
فریاد کہ بالکل لٹ کے چلے دنیا کے مسافر خانے سے
مقتل میں حقیقت کیوں کھلتی اس میرے شہادت ہونے کی
آپ اپنی خطا ہے قاتل کی پہچانا گیا شرمانے سے
ہونے کو تو ہم افراط سے تھی تھا فیض بھی جاری ساقی کا
خیر اس کا گلہ اب کیا کہ ہمیں محروم چلے میخانے سے

زنداں ہے حقیقت میں دنیا محکوم ہیں بس میں غیر کے ہیں
خود ہم سے بہت کچھ چوک ہوئی آنا ہی نہ تھا اس آنے سے

مشہور ہیں راتیں فرقت کی کٹ جائیں گی **شاد** آخر تو کبھی
کم بخت عبث گھبراتا ہے کیا ہوتا ہے اس گھبرانے سے

اے چشم رات دن تجھے رونے سے کام ہے — ملتے ہیں دونوں وقت ذرا تھم کہ شام ہے
مستوں پہ منحصر ہے نہ اہل شعور پر — ساقی ترا تمام زمانہ غلام ہے
اڑ کر چمن سے جا نہیں سکتی کہیں غریب — بلبل ازل کے دن سے گرفتار دام ہے
اتنا بھی میکشوں کو نہیں میکشی میں ہوش — حد سے اگر سوا ہو تو کھانا حرام ہے
تیغِ نگاہ یار تری کاٹ الاماں — فولاد بھی تو آگے ترے موم خام ہے
دو چار نالے اور کرو، صبح ہو چلی — ہاں عاشقو بس اب شب فرقت تمام ہے
کہتے ہیں کس کو حسن کی خدمت گزاریاں — جس مبتلا کو دیکھئے دل کا غلام ہے
اک جام کی بساط تو ساقی بہت نہ تھی — پانی بھی اب مجھے ترے گھر کا حرام ہے
جاناں ترے فراق میں کچھ سوجھتا نہیں — راتوں کی طرح دن بھی مرا تیرہ فام ہے
ہر مست اپنے حال سے بے حال ہو گیا — ہم کیا کہ اب یہ بزم بھی ساقی تمام ہے

مہماں سرائے تن سے چلی روح کہہ کے آہ
اس گھر میں اب نہ آئیں گے گر **شاد** نام ہے

وہ میری قبر پہ جب بے نقاب آنے لگے — چراغ جتنے لحد پر تھے جھلملانے لگے

۱۳۵۰

وہ نیم جاں ہمیں مقتل میں چھوڑ کر جو چلے ۔۔۔ ہزاروں وسوسے کم بخت دل میں آنے لگے

اثر اب اس سے زیادہ وفا کا کیا ہوگا ۔۔۔ قسم ہماری محبت کی لوگ کھانے لگے

گلوں نے داغ دکھا کر الگ کیا مغموم ۔۔۔ بسور کر ہمیں غنچے الگ رُلانے لگے

سُنی جو آہ مری ابروؤں پہ بل آیا ۔۔۔ نظر پڑی مرے اوپر تو مُسکرانے لگے

بہت دنوں پہ جو محشر میں وہ نظر آئے ۔۔۔ سب اپنی اپنی کہانی اُنھیں سُنانے لگے

بروز حشر بڑھا یہ جلال حُسن اُن کا ۔۔۔ کہ انبیائے اولو العزم تھرتھرانے لگے

ہماری صف پہ بھی ساقی کرم کیا تو نے ۔۔۔ کہ اب تو جام پیا پے ادھر بھی آنے لگے

انیس سے بھی سخن سنج نے ثنا کی شاد
یہ چند شعر جو مونس کو ہم سُنانے لگے

ساتھ دل کے کب فقط ای آہ تو مشکل میں ہے ۔۔۔ کشمکش میں ہیں اُمیدیں آرزو مشکل میں ہے

جذب بلبل کھینچتا ہے اک طرف اک سو صبا ۔۔۔ دم گھٹا جاتا ہے کیا پھولوں کی بو مشکل میں ہے

یہ نہیں کہتا میں ای دل وصل جاناں ہے محال ۔۔۔ کیوں ڈرا جاتا ہے ناداں گفتگو مشکل میں ہے

قتل کس کس کو کرے عشاق کی اک بھیڑ ہے ۔۔۔ بن نہیں پڑتی عجب وہ تند خو مشکل میں ہے

دل تو کہتا ہے ٹپک جا شرم کہتی ہے ٹھہر ۔۔۔ کیا ہمارے دیدۂ تر کا لہو مشکل میں ہے

اشک گرنے کو تو آہ آنے پہ قالب بیقرار ۔۔۔ ہے کشاکش سخت جانِ آبرو مشکل میں ہے

زندگی دل کو ہے پیاری موت عزت کو پسند
بیچ میں ان دو کے کیا ای شاد تو مشکل میں ہے

کسی کی لَو ہی جو سینہ میں داغ روشن ہی ۱ اندھیرے گھر میں یہی اک چراغ روشن ہی
نظر کے سامنے پاتا ہوں عرش کو ساقی ۲ کچھ ایسی پی ہی کہ سارا دماغ روشن ہی
اُدھر کی دین ہی اس آب آتشیں میں یہ رنگ کہ خم کا خم ہی منور ایاغ روشن ہی
اندھیری رات میں پھولوں کو دیکھا ای نرگس ۳ یہ حسن کی برکت ہی کہ باغ روشن ہی
امید جب سے بُجھا کر چلی گئی دل کو ۴ نہ زخم نور فشاں ہی نہ داغ روشن ہی
ضیا نکلتی ہی یوں چاند جیسے کھیت کرے نقاب سر ہی رُخ پر کہ باغ روشن ہی

مقام شکر ہی جھک جاؤ شاد سجدے میں
ہزار بخت سیہ ہو دماغ روشن ہی

مجلس وعظ بھی صحبت ہوئی دیوانوں کی ۱ دھجیاں اُڑتی ہیں ہم چاک گریبانوں کی
لالہ ہی غم کدۂ دہر میں نارس جب تک ٹھیک تصویر ہی اُلٹے ہوئے پیمانوں کی
چہچہے کرتی ہیں شاخوں پہ عنادل کی صفیں مجلسیں گرم ہیں پھولوں کے ثنا خوانوں کی
تیرے شوریدہ سر اس دشت سے گزرے ہیں ضرور ۲ دھجیاں خار میں کیوں اُلجھی ہیں دامانوں کی
جس کا چسکا ہی زبانوں کو وہ چیز اور کہاں ۳ میکشو خیر منایا کرو میخانوں کی
بزم ساقی میں کدورت کا کہاں نام و نشاں ۴ طینتیں صاف کہے دیتی ہیں پیمانوں کی
تول کر تیغ بڑھا ہی مری جانب قاتل شان دیکھے کوئی اُن اُبھرے ہوئے شانوں کی
اب تو جانے لگا مسجد کی طرف وہ کافر گر یہ سچ ہی تو شہادت ہی مسلمانوں کی
زاہدو مجکو نہ چھیڑو انھیں حوروں میں رہو کیسی جانیں کہیں پڑ جائیں نہ ایمانوں کی

ای سرا تیرے مسافر نہ تجھے بھولیں گے ۔ خوب جی توڑ کے خاطر ہوئی مہمانوں کی

شاد کچھ پوچھ نہ ان اہل تقدس کے صفات

صورتیں عقل کی باتیں وہی نادانوں کی

دیکھنا عاقل ذرا دنیا کو پہچانے ہوئے ۔ کل جو قصّے پیش پا تھے آج افسانے ہوئے

ساکن شہر خموشاں تیرے دیوانے ہوئے ۔ بستیاں سونی ہوئیں آباد ویرانے ہوئے

ہوش جب تک تھے نہ دی ساقی نے بھر بھر کر شراب ۔ میرے بیخود ہوتے ہی لبریز پیمانے ہوئے

وہ صفیں مژگاں کی وہ اُن کی نگہہ خنجر گزار ۔ دو طرف فوجیں کھڑی ہیں برچھیاں تانے ہوئے

ساغر و مینا و صہبا پر نہیں کچھ منحصر ۔ میکدہ میں سب کے سب ہیں اپنے پہچانے ہوئے

کچھ تو راحت دے ہمیں ای گوشۂ تاریک و تنگ ۔ آئے ہیں سارے بیاباں جنوں چھانے ہوئے

طاق ابرو کس کا یاد آیا جو پھینکے سب لباس ۔ کیوں مسلماں دیکھ کر کعبہ کو دیوانے ہوئے

اک یہ دل ہے جس کی حالت آج تک ہے ایک سی ۔ شہر کتنے بس گئے اور کتنے ویرانے ہوئے

دیکھ کر کعبہ کی صورت کیوں نہ حیرت دل کو ہو ۔ کیسے کیسے ای فلک ویران بتخانے ہوئے

وشت وحشت میں کسی جانب نظر کرتا نہیں ۔ تیرا دیوانہ چلا جاتا ہے کچھ ٹھانے ہوئے

منزل عرفاں سے کوئی مست گزرا ہے ضرور ۔ جا بجا رستہ میں کیوں آباد میخانے ہوئے

سخت جانی کا مری قاتل سے پوچھے کوئی حال ۔ ہاتھ میں موچ آ گئی خنجر میں دندانے ہوئے

جب چلے دنیا سے پھر کر ہم نے دیکھا بھی نہ **شاد**

اقربا کی کیا خطا ہم آپ بیگانے ہوئے

اگر ممکن نہو گا زر تو اِن قدموں پہ سر دیں گے | نہ گھبرا ساقیا میخوار تیرا قرض بھر دیں گے
عبث گھبرا رہے ہیں لوگ طول روز محشر سے | ہم اپنا حال اگر کہنے کو بیٹھے شام کر دیں گے
مرے دردِ جگر کا حال قاصد کہہ کے یوں کہنا | یہ قصہ قبل کا ہی بعد کو اس کی خبر دیں گے
عوض جنس محبت کے جو دم بھی جائے کیا پروا | کوئی گھاٹا نہیں اس میں اُدھر لیں گے اِدھر دیں گے
نظر آئے نہ آئے کوئی آنسو پونچھنے والا | مرے رونے کی داد اے بیکسی دیوار و در دیں گے

برائیں شاد کیسی آرزوئیں ہم سے پیالوں کی
جو خود ساقی یہ کہہ دے ہم ترے چلّو کو بھر دیں گے

پیری میں اُمنگیں وہ نہیں جوش نہیں ہے | آپ اپنے کو سمجھوں مجھے یہ ہوش نہیں ہے
بینا ہو تو اُس کے دہنِ تنگ کو دیکھے | عنقا کی طرح سے کہیں روپوش نہیں ہے
خمخانۂ توحید میں جتنے ہیں قدح نوش | بدمست تو ہیں پر کوئی بیہوش نہیں ہے
مینا ہے سر آنکھوں پہ مگر آج تو ساقی | تو آپ پلا دے کہ مجھے ہوش نہیں ہے
اللہ رے کرم بادِ بہاری کا چمن میں | وہ کون سا ہے نخل جو گلپوش نہیں ہے
کہتے ہیں نکیرین بتا اپنے خدا کو | صد شکر کہ اس دم وہ ستم کوش نہیں ہے
اب راز چھپانے لگے مینوش مجھی سے | ساقی کسی خم میں مے سرجوش نہیں ہے
طمّاع کی نظریں نہ قیامت کہیں ڈھائیں | کیا خوانِ کرم پر کوئی سرپوش نہیں ہے

اے شاد سب اپنی ہے خطا غیر کا کیا جرم
آنکھیں نہیں یا دل نہیں یا گوش نہیں ہے

کسی کی بات بھلا اُس کے دل پہ کیا لگتی　　خدا کے بندوں نے اکثر کہی خدا لگتی

وہ تیغ عید سمجھتی اگر مرا دیدار　　تو قتل گہہ میں مقرر گلے سے آ لگتی

ہوائے دہر اگر چاہتی تو کشتیِ غم　　کسی کنارہ پہ جا کر ضرور جا لگتی

ہمارے زخم جگر کھل کھلا کے ہنس دیتے　　جو تیری تیغ شرر ریز کی ہوا لگتی

خدا سے چاہتا میں اس کی ناقبولی کو　　ذلیل ہوتی اگر منہ مرے دعا لگتی

بتوں نے چھوڑ دیا **شاد** بات تک کرنا

تمھیں سے بھول ہوئی کہہ گئے خدا لگتی

کب سے پکارتا ہوں جوانی کدھر گئی　　کیا زندگی کی راہ میں کم بخت مر گئی

ساقی تری نگاہ عجب کام کر گئی　　گویا شراب حلق کے نیچے اُتر گئی

ناحق ہے دل کو صبح شبِ غم کا انتظار　　تھوڑی سی اب ہے رات بہت کچھ گزر گئی

سمجھے تھے سب کہ خلق کے بگڑے بس اب نصیب　　بارے تمھاری زلف پریشاں سنور گئی

عمر رواں کی تیز روی کا بیان کیا　　اک برق کوند کر اِدھر آئی اُدھر گئی

اس سے تو تھا مرے لیے بہتر کہیں عدم　　دو دن کی زندگی مجھے بدنام کر گئی

کرتا ہوں دل کو یاد تو کہتی ہے آرزو　　وہ مر گیا کہ میں بھی کہیں جا کے مر گئی

جنت میں دے جگہ مری اُمید کو خدا　　ایسی رفیق تھی کہ مرے ساتھ مر گئی

ہوں راز دار روح کا پوچھو نہ مجھ سے کچھ　　چلنے لگی تو لب پہ مرے مہر کر گئی

یکجا جمال تھے بلبل و گل نغمہ و شراب　　کیوں بیکسی وہ محفل عشرت کدھر گئی

ای شاد کیا کہوں تری شیریں زبانیاں
جو بات تونے کی مرے دل میں اُتر گئی

سینہ وہی ہے دل وہی ہم وہی مدعا وہی
حسرت و درد و غم وہی یاد وہی خدا وہی

تن وہ نہیں نہ وہ شباب ہے وہ فلک نہ وہ زمیں
ہم ہیں وہی وفا وہی یار وہی جفا وہی

قطع نظر کی وجہ کیا اب وہ اثر کدھر گیا
رات وہی ہے دل وہی ہاتھ وہی دعا وہی

بلبل زار کے بغیر باغ ہے ہو کا اک مکاں
سرو وہی ہے گل وہی غنچے وہی صبا وہی

کیا کہوں اتفاق وقت پڑ گیا منزلوں کا پھیر
راہ وہی قدم وہی ہم وہی رہنما وہی

کیا ہے گلہ مسیح کا ہو نہ شفا گر اب کی بار
چارہ وہی مرض وہی دکھ ہے وہی دوا وہی

کیا ہے سبب جو ای خدا اب کے ہوا نہ باریاب
در وہی آستاں وہی شاد وہی گدا وہی

تیری خطا نہیں فلک دل ہے اداس خود بخود
ہم وہی نخل گل وہی سایہ وہی ہوا وہی

المدد ای ہوائے شوق سعی میں کچھ کمی نہ ہو
راہ وہی وہی ہیں خار شاد وہی عصا وہی

اک جہاں زیر و زبر نالۂ شب کرتا ہے
دل سے لیکن جو نکلتا ہے غضب کرتا ہے

مجلس وعظ کہاں صحبت میخوار کہاں
جس کی پڑتی ہے نظر مجھ پہ عجب کرتا ہے

میں جفا پر تری خاموش ہوں ای پیر فلک
ورنہ کون اگلے بزرگوں کا ادب کرتا ہے

کیا کروں کیا دکروں تنگ ہوں ان اشکوں سے
بزم میں جو ہے وہ دریافت سبب کرتا ہے

نالہ فی الفور پہونچ جاتا ہے باوجود ضعف
قصد جانے کا در یار پہ جب کرتا ہے

کشش حسن یہ آپ اپنے عجب کرتا ہے   مجھ پہ موقوف نہیں دیکھ کے آئینہ کو خود

مجھ سے پھر ناشدنی داد طلب کرتا ہے   دل کئے دیتا ہے رہ رہ کے کلیجہ پانی

شاد کو اپنی فصاحت پہ بجا ہے نازش

اب وہ تقلید فصیحانِ عرب کرتا ہے

کس سے تاراجیِ گلزار کی فریادی ہے   مفت اے بادِ صبا وقت کی بربادی ہے

جورِ صیاد غنیمت ہے اسیروں کے لئے   موت میں عمر ابد قید میں آزادی ہے

اُوس پڑتی ہے تو ہوتے ہیں شگفتہ غنچے   رنج اس باغ کے اندر سبب شادی ہے

فصلِ گل آئی کہ شادی کی سہاگ آئی   ہر شجر پہنے ہوئے خلعت دامادی ہے

دیکھ گلچیں کی طرف ایک خزاں پڑ کیا ہے   الغرض باغ کی ہر طرح سے بربادی ہے

شکرِ نعمت نہ کریں آپ کے مہماں کیونکر   دی وہی چیز کہ جس چیز کا جو عادی ہے

دل ملے دیتی ہے پازیب کے دانوں کی صدا   ہو نہ ہو زیرِ زمیں بھی کوئی فریادی ہے

ظلم کا کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھ قاتل   آگے خود آپ ہے تو اور تری جلادی ہے

گھر فکرِ زمانے سے پڑے ہیں میلے

اب وہ ان میں جو ہے شاد تو اُستادی ہے

اک ایک ستم اور لاکھ ادائیں اف ری جوانی ہائے زمانے

ترچھی نگاہیں تنگ قبائیں اف ری جوانی ہائے زمانے

ہجر میں اپنا اور ہی عالم ابرِ بہاراں دیدۂ پُر نم

ضد کہ ہمیں وہ آپ بلائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے

اپنی ادا سے آپ جھجکنا۔ اپنی ہوا سے آپ کھٹکنا،

چال میں لغزش منہ پہ حیائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے

ہاتھ میں آڑی تیغ پکڑنا تاکہ لگے بھی زخم تو اوچھا

قصد کہ پھر جی بھر کے ستائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے

کالی گھٹائیں باغ میں جھولے دھانی دوپٹے لٹ چھٹکائے

مجھ پہ یہ قدغن آپ نہ آئیں۔ اُف ری جوانی ہائے زمانے

پچھلے پہر اُٹھ اُٹھ کے نمازیں ناک رگڑنی سجدوں پہ سجدے

جو نہیں جائز اُس کی دعائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے

شاد نہ وہ دیدار پرستی اور نہ وہ بے نشہ کی مستی

تجھکو کہاں سے ڈھونڈ کے لائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے

اپنے گدا کو خود وہ پکارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

اُٹھ مرے عاشق اُٹھ مرے پیارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

چاند کی رنگت زرد ہے پیارے صبح کے دیکھ آثار ہیں سارے

ڈوب چلے دم بھر میں ستارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

جن و بشر کو خواب نہیں ہے ارض و سما کو تاب نہیں ہے

غم سے فرشتے غش ہوئے سارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

دل کو کبھی تو راحت پہونچا۔ ہر دم کی اس رٹ سے باز آ

مان کہا جاں باز ہمارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

رو کے ہمارا نام جو لے گا نالۂ شب سے کام جو لے گا

ٹوٹ پڑیں گے عرش کے تارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

رات چلی ہے جوگن ہو کر اوس سے اپنے مُنہ کو دھو کر

لٹ چھٹکائے بال سنوارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

صدموں پہ صدمے دل پہ سہے گا در پہ مرے تا چند رہے گا

جان کو توڑے جی کو ہارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

شاد ہر اک کا دل بھر آیا جس نے سُنا وہ تاب نہ لایا

تھے یہ غضب کے اُن کے اشارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

وہ شاید تو نہیں وہ ہم نہیں جو ہم نے سمجھا ہے — سمجھ لینے کو یہ بھی کم نہیں جو ہم نے سمجھا ہے

نہ دیکھا جب تجھے دل نے کہا چشم غلط بیں سے — حقیقت میں یہ وہ عالم نہیں جو ہم نے سمجھا ہے

مبارک باد ہے چھوٹا ہے قیدِ جسم سے قیدی — یہ شورِ گریہ و ماتم نہیں جو ہم نے سمجھا ہے

کہیں کس شخص سے اسرار اُن کی بے دہانی کا — یہ مطلب چیستاں سے کم نہیں جو ہم نے سمجھا ہے

عرق آ آ گیا ہے شرم سے فریادِ بلبل کی — گلوں پر قطرۂ شبنم نہیں جو ہم نے سمجھا ہے

وہی پیری میں ہیں اے **شاد** تھے جیسے جوانی میں

مگر افسوس اب وہ ہم نہیں جو ہم نے سمجھا ہے

میرے سب عیب دکھائے مجھے شیدا کرکے
مل گیا کیا تجھے ظالم مجھے رسوا کرکے

قتل ہونے سے جو محروم رہے اُن کی نہ پوچھ
قتل گہہ سے وہ چلے غمزۂ بیجا کرکے

اور کیا میری تمنّا تھی فقط یہ کہ تجھے
دل میں رکھ لوں کسی تدبیر سے اپنا کرکے

سوجھتا کچھ نہیں مجھکو تجھے جب سے دیکھا
اور اندھا کیا تو نے مجھے بینا کرکے

کام آئی تری اعجاز بیانی قاصد
اُس نے خوش کرتو دیا وعدۂ فردا کرکے

شاد وہ اور ہیں جن کا ہے توکّل پہ مدار
مرگئے ہم تو مقدّر پہ بھروسا کرکے

خفا ہو کر رہ ورسم وفا کو اور کم کرتے
شبِ غم کا گلہ کیا مُنہ لگا کر اُن سے ہم کرتے

جو ملتا نامہ بر آنکھوں سے لکھتے خط شوق اُن کو
سیاہی اشک کی لیتے تو مژگاں کو قلم کرتے

مقدر آسمان خود اپنا دل سب تو مخالف تھے
بتا ناصح ہم اپنے ساتھ کس کس کو بہم کرتے

بہت چوکی جو مانگی موت آخر کیا علاج اس کا
ستم کرنے کی بھی حد ہے کہاں تک وہ ستم کرتے

حقیقت نقد دل کی کیا ہے وہ بھی نذر تھا اُن کی
اگر تجویز اس سے بھی کوئی بھاری رقم کرتے

چڑھا لیتے اگر دونوں کمانیں ابروؤں کی تم
غزالانِ حرم بھی دور سے گردن کو خم کرتے

کوئی دم تنگنائے دل میں آنا شرط تھا اُن کا
ہم اس تاریک گھر کو رو کشِ باغ ارم کرتے

زمیں پر کیا کہ ناصح کے قدم اپنے سر آنکھوں تک
ہم اب حد سے سوا گھبرا گئے ہیں بس کرم کرتے

چمن میں آکے امو وحشت تماشا ہی رہی دل کو
تماشائے گل و نسرین و سنبل کوئی دم کرتے

کہاں تک روسیاہی **شاد** شرم آتی نہیں تم کو

ضعیفی آگئی دنیا کا لالچ اب تو کم کرتے

اکڑ کے دوش پہ کیونکر نہ زلف ناز کرے ‏ ‏ اُسی کے ہاتھ ہے وہ جس کو سرفراز کرے

مے حساب ہوں تو عاشق نہیں حریص ہے وہ ‏ ‏ فراق و وصل میں کچھ بھی جو امتیاز کرے

بیک اشارہ نہ میں تھا نہ غیر محفل میں ‏ ‏ اُن ابروؤں کی خدا زندگی دراز کرے

مری دعائیں تو جائیں گی شب کو سو سو بار ‏ ‏ درِ قبول کو تا چند کوئی باز کرے

کہیں تو جام دھرا ہے کسی جگہ ساغر ‏ ‏ کدھر جھکائے سر انساں کدھر نماز کرے

کچھ اور بزم میں اپنی دعا نہیں ساقی ‏ ‏ تری نگاہ کو اللہ پاکباز کرے

بہت دنوں سے ہے خالی فقیر کا کشکول ‏ ‏ بس اب نگاہ کرم وہ گدا نواز کرے

شراب جام میں بھر دی کہ زہر ساقی نے ‏ ‏ کسے دماغ ہے اتنا کہ امتیاز کرے

کبھی تو غور کریں حسن کی حقیقت پر ‏ ‏ ہمیں بھی عشق جو اس بات کا مجاز کرے

فقط بھروسے پہ تیرے ہے زندگی اپنی ‏ ‏ خدا حیات تری اے اجل دراز کرے

ہم اپنے آپ نہیں جب تو ہوں گے غیر کے کیا
زمانہ **شاد** ہم ایسوں سے احتراز کرے

مشتبہ ہے دل تری چشم غلط انداز سے ‏ ‏ کھل کے باتیں کیا کرے کوئی ترے ہمراز سے

جام کی پینبہ دہانی نے تو مارا تھا مجھے ‏ ‏ جی گیا میں قلقلِ مینا تری آواز سے

میکشی کس رند کو جائز ہے اور کس کو حرام ‏ ‏ جز ترے واقف نہیں ساقی کوئی اس راز سے

ہو نہو آتی ہے شہنا سے صدا محبوب کی ‏ ‏ کان اپنے آشنا ہیں کچھ تو اس آواز سے

بر ملا کہنے لگے ہیں مست میخانے کا راز ہم نہ کہتے تھے پلا ساقی انھیں اندازے سے

چھوٹتے موسے سے کہتے ہم جو ہوتے طور پر کون اس پردہ میں ہی پہچان لو آواز سے

صدق دل سے **شاد** کی تقلید کر ایمان لا

فرق کر اے مدعی جادو سے اور اعجاز سے

ہم ہیں اور باتیں شب غم میں دل ناکام سے سو رہے ہیں اپنے اپنے گھر میں سب آرام سے

ہیں سبو پر حسرتیں چھائی ہوئی ساقی بغیر بیکسی اے میکشو پیدا ہے شکل جام سے

نالہ کرنے کے لئے بھی طبع خوش درکار ہے کیا بتاؤں ان دنوں ہٹتا ہے دل اس کام سے

رات دن پیتے ہیں بھر بھر کر مے عشرت کے جام کچھ وہی اچھے ہیں جو واقف نہیں انجام سے

اے جنوں دو چار باتیں تھیں پسند اس کی مجھے کام میں نے بھی لئے ہیں عقل نافرجام سے

اسم کو اپنے مسمیٰ سے ہے لازم کچھ لگاؤ

شاد آخر کس طرح خوش ہوں میں اپنے نام سے

زمانہ آرزو کا جا چکا اب آرزو کیسی خزاں سے دل لگا اے گل تلاش رنگ و بو کیسی

گئے نشو و نما کے دن کہو بیکس عنادل سے چمن میں جا کے سوکھی ڈالیوں پر جستجو کیسی

خموشی مقتضائے طبع ارباب محبت ہے کسے کہتے ہیں حیرت - حیرت اے آئینہ رو کیسی

کیا خوں محبت نے بزم میں آتے ہی کس کس کا چلی احباب کی گردن پہ شمشیر عدو کیسی

بہانہ یہ بھی تھا حیرت زدوں کے واسطے ورنہ وہ عارض پھول سے کیسے وہ زلف مشکبو کیسی

خبر یا مبتدا یا فعل و فاعل کچھ تو ہے آخر جہاں سب کچھ مقدر ہو کہو وہ گفتگو کیسی

وہ عالم کون ہی پر تو ہی جس کا صفحۂ جاں بھی　　تصور نے کھڑی کی ہی یہ صورت روبرو کیسی
کہیں زہر اور کہیں امرت سمجھ میں کچھ نہیں آتا　　نگاہیں لیکے آئے ہیں بتان خوبرو کیسی
اثر انگیزیاں ای آہ تونے کھیل سمجھی تھیں　　میں ای ناداں نہ کہتا تھا۔ ہوئی شرمندہ تو کیسی
زبان حال حسن مشترک کو یوں سناتی ہی　　نہیں اپنا ٹھکانا دوسروں کی جستجو کیسی
ملے گا چین کب ترک تعلق روح سے کرکے　　قیامت تک پھریگی در بدر ای خاک تو کیسی

کرو اُس کی گلی میں یاد اُس کو شاد رو رو کر
قیام بے محل کیسا نماز بے وضو کیسی

رہے ہر حال میں جو مطمئن جینا اُسی کا ہی　　پلائے جس کو خود پیر مغاں پینا اُسی کا ہی
نگہ کی برچھیاں جو سہہ سکے سینا اُسی کا ہی　　ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اُسی کا ہی
تصور اس کا رکھ دل میں جو ہی دیدار کا جویا　　لگائے منہ جو آئینہ کو آئینا اُسی کا ہی
یہ بزم مے ہی یہاں کوتاہ دستی میں ہی محرومی　　جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہی
جہاں چاہے بشر کو لے کے جائے ہمت عالی　　جسے کہتا ہی زاہد عرش یہ زینا اُسی کا ہی
مکدّر یا مصفّا جس کو یہ دونوں ہی یکساں ہوں　　حقیقت میں وہی میخوار ہی پینا اُسی کا ہی
تماشا دیکھنا غیروں کے گھر کو پھونک کر کیسا　　جو اپنی آگ میں جل جائے خود کینا اُسی کا ہی
مبارک ہی یہ شب پی پی کے میخانہ میں ای مستو　　گزارے جو شب آدینہ آدینا اُسی کا ہی
امیدیں جب بڑھیں حد سے طلسمی سانپ ہیں زاہد　　جو توڑے یہ طلسم ای دوست گنجینا اُسی کا ہی
کدورت سے دل اپنا پاک رکھ ای پیر پیری میں　　کہ جس کو منہ دکھانا ہی یہ آئینا اُسی کا ہی

خدا لگتی دیانت سے کہے جو شاد کے حق میں
دعاگو بھی بتو یہ پیر دیرینا اُسی کا ہی

حاضر ہی گر پسند ہو کیا دل کا مول ہی — قیمت کو پوچھتے ہو تو سونے کی تول ہی
خلقت ہجوم کرتی ہی جاتا ہوں جس طرف — نالے ہیں یا گلے میں منادی کا ڈھول ہی
پیری میں نادرست ہوا جامۂ بدن — جس جس طرف نگاہ اُٹھاتا ہوں جھول ہی
ناحق خم فلک سے امید شراب عیش — سمجھاؤں کیا سمجھ بھی تو رندوں کی گول ہی
پوری طرح سے آ سکے ہونٹوں پہ ای فغاں — کٹ کر جو نکلے ساز سے ناقص وہ بول ہی

ای شاد سچ ہی کچھ نہیں واعظ کا اعتبار
جو کچھ زبان سے اپنی کہے اول فول ہی

ان لغزشوں کا اصل سبب اُن کی چاہ ہی — دیکھیں وہ غور سے تو مرا کیا گناہ ہی
آمادہ ہی کہ جائے وہاں لیکے خط مرا — قاصد کو بھی سنا ہی کہ اب روبراہ ہی
سُن لے وہ میری عرض تو اللہ کا کرم — ہیں بے نوا فقیر وہ شاہوں کا شاہ ہی
دل ایک حال پہ نہیں رکھتی ہوائے دہر — طوفان میں جہاز ہمارا تباہ ہی
اُٹھکر دعا کریں یہ نہیں سوجھتی ہمیں — فرقت کا دن تو رات سے بڑھ کر سیاہ ہی
پیری میں بھی جوان بنائے ہی عشق یار — کپڑے وہی ہیں چھینٹ وہی کج کلاہ ہی
کہتا ہی شیخ دیکھ بتوں کو نہ منہ لگا — ایسوں کی دوستی سے خدا کی پناہ ہی
الحق کہاں مجال کہ بیجا دھریں قدم — عالم مری نظر میں تری بارگاہ ہی

آئی بہار بیٹھ کے مرغان خوش نوا — شاہانہ گیت گاتے ہیں پھولوں کا بیاہ ہے

کہتی ہے خلق ظلم ہے قاتل کا قتل عام — میں جانتا ہوں سب کو اسی میں رفاہ ہے

ہاں ہاں شب فراق کا نعم البدل ہے وصل

سب کچھ اسی پہ **شاد** کی حالت تباہ ہے

کیوں ہر اک فقرہ نشاط انگیز و معنی خیز ہے — ہو نہ ہو اقرار تیرا مصلحت آمیز ہے

خنجر مژگان قاتل ہو کہ پیکان نگاہ — دونوں ہی نشتر ہیں یہ سر ڈوب وہ سر تیز ہے

ہجر کی شب کٹ گئی داخل ہوا روز وصال — جو نسیم صبح کا جھونکا ہے فرحت خیز ہے

دامن قاتل پہ کیونکر ہو گا اپنا دسترس — ہاتھ میں کوئی نوشتہ ہے نہ دستاویز ہے

پھول داغ دل کے ای لیلیٰ دکھاتے ہیں بہار — کیا کرے مجنوں یہ موسم بھی تو سودا خیز ہے

جرم ہے اغیار کا اس میں نہ اعدا کا قصور — خود خطا اپنی خود اپنا دل فساد انگیز ہے

گھر میں بیٹھے دیکھتے ہیں آپ ہم اپنی بہار — ان دنوں ابر شفق گوں دیدۂ خوں ریز ہے

کیوں نہیں کہتا کوئی اہل قلم کو اہل سیف — ان کا خامہ تیغ ہے فکر رسا شبدیز ہے

زخم کا اس کے کوئی مرہم نہیں جز معذرت

حرف تلخ ای **شاد** خنجر کی طرح خوں ریز ہے

آفتاب روز محشر تاب اُن گالوں کی ہے — اللہ اللہ کیا نگاہ ان دیکھنے والوں کی ہے

سر کھلے آنا مری میت پہ اُن کا کچھ نہ پوچھ — آج تک پھیلی ہوئی خوشبو اُنھیں بالوں کی ہے

یوں تو جائیں عرش پر جا ہوں تو لب پر بھی نہ آئیں — ای شب غم کیا بُری ترکیب ان نالوں کی ہے

نشۂ جوشِ جوانی میں کسے شک ہی مگر
یوں نہ چلئے جھوم کر یہ چال متوالوں کی ہی

دل کو اُلجھاتے ہیں پھر دیکھو تو حلقے ہیں خِ دام
زلف کا کیا تذکرہ تعریف اُن خالوں کی ہی

چونک چونک اُٹھتے ہیں مُردے فتنۂ رفتار سے
دیکھنے والی قیامت بھی انھیں چالوں کی ہی

جس کو ڈھونڈھو کر فرشتے لے گئے سوے ارم
یہ وہی مٹی ترے کوچہ کے پامالوں کی ہی

بستہ لب کیونکر نہوں ای **شاد** دہر لنے سے کیا
اُن پہ حالی ہی جو حالت ہم سے بدحالوں کی ہی

تیرے دم سے ہی فقط ساغر و مینا ای رند
نہ رہا تو ہی تو دنیا میں رہا کیا باقی

ہوں گے اُس وقت ترے ناز و ادا قابلِ دید
جز ترے کوئی یہاں جب نہ رہے گا باقی

قصۂ جمرو و قاسب کی زبانوں پر ہی
نہ رہا میں پہ رہا اب یہ فسانا باقی

مجھ سے مایوس ہزاروں ہی تصدق تجھ پر
تو سلامت رہے تجھ سے ہی تمنّا باقی

نت نئے کھیل زمانے کو نظر آئیں گے
جب تک اس خاک پہ ہی خاک کا پتلا باقی

میکدہ میں نہ وہ ساغر ہی نہ خم ہی نہ وہ جام
چل بسے یار رہے ہم تنِ تنہا باقی

شکل ہر شے کی زمانے نے بگاڑی ہر چند
آج تک ہی مگر ان آنکھوں میں نقشا باقی

جلوۂ یار ابھی تک وہی عالم ہی ترا
شجرِ طور ہی باقی ہی نہ موسا باقی

چار دیوارِ عناصر کو گرایا بھی تو کیا
وہی دھوکا ہی وہی ہی ابھی پردا باقی

نہ سہی چارگرہ کا جو گریباں نہ سہی
مدد ای عشق کہ ہی دامنِ صحرا باقی

ہاتھ اُٹھا کر جو دے اس کو غنیمت سمجھو

شاد ساقی پہ تمہارا نہیں آتا باقی

مایوس کیجئے نہ مجھے مان جائیے میرا ہی نام شاد ہے پہچان جائیے

لیتے نہیں وہ جنس وفا کو نہیں سہی ہم خود بڑھائے لیتے ہیں دو کان جائیے

بے اختیار دل یہی کہتا ہے بزم میں ساقی کی بات بات پہ قربان جائیے

حیرت سے میرے دل کی طرف دیکھئے نہ آپ برسوں کا یہ رفیق ہے پہچان جائیے

رہتی ہے اپنے خانۂ ویراں کی یاد ساتھ دم بھر کو بھی اگر کہیں مہمان جائیے

ہم سا بھی پا شکستہ ملے گا نہ ای خضر صحرا کی ساری خاک اگر چھان جائیے

کہتی ہے روح نقد قناعت کو دیکھ کر سب کچھ ہمیں دیا ہے یہ قربان جائیے

دل چور رنگ زرد فغاں لب پہ تن نزار

لیکر عدم میں شاد یہ سامان جائیے

جو رات کٹ گئی ہے کیا آئیگی نہ اب کے پھر شمع کیوں بحسرت منہ دیکھتی ہے سب کے

یوں تو خزاں چمن میں کب کب نہ آئی لیکن بے رنگ ہو رہا ہے بلبل کا رنگ اب کے

ای مرغ صبح ڈر ہے برپا کریں نہ محشر نالے بچے بچائے سینے میں ہیں جو شب کے

لپٹی بلا کی صورت آخر شب جدائی کچھ آج شام ہی سے آثار تھے غضب کے

بالیں سے جلد اٹھ کر یوں جائیے نہ للہ دو حرف سن تو لیجئے بیمار جاں بلب کے

ای شاد دیکھتے ہو احوال شمع کا تم

[illegible]

بدلی وہ وضع طور سے بے طور ہو گئے | تم تو شباب آتے ہی کچھ اور ہو گئے
دیکھا کیے وہ مست نگاہوں سے بار بار | جب تک شراب آئے کئی دور ہو گئے
دانستہ ڈھیل دیتے ہیں اٹھکھیلوں سے وہ | تاہم کہیں کہ بس ستم و جور ہو گئے
آپس کا وہ مذاق وہ ساقی کا ڈھالنا | اب وقت اور اور ہے وہ دور ہو گئے
آئینہ لیکے ہاتھ میں کہتا ہوں کیوں فلک | تو اور ہو گیا کہ ہمیں اور ہو گئے

چارہ ہوا نہ **شاد** کو آخر کسی طرح
راضی تری رضا پہ بہر طور ہو گئے

خود اپنے بس میں رہے یا تڑپ کے مرجائے | جہاں میں اپنی سی انسان کچھ تو کر جائے
شب فراق میں اور آہ بے اثر جائے | حیا جو آپ کے عاشق کو ہو تو مرجائے
کبھی نہ چاہ ہو کوثر کی پھر تجھے واعظ | یہ مے جو حلق سے دو گھونٹ بھی اُتر جائے
نہ آئے پھر کوئی آفت غریب شانہ پر | خدا کرے کہ وہ گیسو کہیں سنور جائے
عدم کو روح روانہ ہو جسم تربت میں | وہ اپنے گھر کو سدھارے یہ اپنے گھر جائے
خموش ہے متحیر ہے لیکے ہاتھ میں خط | اگر کہیں کا پتہ ہو تو نامہ بر جائے
مٹا ہوں یوں کہ نشاں تک نہیں کہیں باقی | بغور دیکھ جہاں تک تری نظر جائے
یقیں کی راہ تو مشکل ہے راہ شوق آساں | تو ہی بتا کہ ترا راہ رو کدھر جائے
مریض غم کی نقاہت کا حال کیا کہئے | اُٹھا لے پھول تو شانہ سے ہاتھ اُتر جائے
صبا نہ چھیڑ مری لاش بار بار آکر | وطن میں کون مرا ہے کہے خبر جائے

دیا ہی ترکِ تعلق کے نظم میں اس کو   یقیں تو ہی کہ مرا کام اب سنور جائے

یہ مے مسکّن دردِ فراق ہی ای **شاد**
جو ایک گھونٹ بھی پی لو تو دل ٹھہر جائے

کدورت ای دلِ محزوں کہاں نکلتی ہی   رُکی رُکی ہوئی مُنہ سے فغاں نکلتی ہی
نہ اپنے حال پہ رکھا خزاں نے بلبل کو   غریب چھوڑ کے اب آشیاں نکلتی ہی
دکھائی دیتی ہی معدوم ہو کے حشر میں روح   کہاں کی ڈوبی یہ کشتی کہاں نکلتی ہی
ہم اُن کے سامنے جس بات کو چھپاتے ہیں   زباں سے بات وہی ناگہاں نکلتی ہی
تری گلی میں ہی از بسکہ غیر کا کھٹکا   ہماری آہ بھی دامن کشاں نکلتی ہی
مطیعِ پیرِ مغاں اس قدر رہے میخوار   کہ اب نہیں کی جگہہ مُنہ سے ہاں نکلتی ہی
اُگا نہیں ہی لحد پہ ہرا بھرا سبزہ   برائے شکر زمیں کی زباں نکلتی ہی
بہ تنگ روح تو ہی جسم میں یہ دیکھوں **شاد**   کب اس سرا سے یہ آزردہ جاں نکلتی ہی

مے کی سبیل رکھتے ہیں رستہ میں دیر کے   باقی ہیں مغبچے فقط اس کارِ خیر کے
قاتل خدا کے واسطے اتنا تو فرق کر   یہ ہیں مرے شہید یہ کشتے ہیں غیر کے
دیکھی بقا کی شکل فنا سے ملی نجات   ساحل تک آئے ہم کئی دریا کو پیر کے
ای زیست سچ بتا مجھے ای چشم دے جواب   اُن پر یہ قید بند جو عادی ہوں سیر کے!
وحشت میں کچھ تو سوچ لیا ہی جو ہیں خموش   نالے کروں تو ہوش اُڑیں وحش و طیر کے
امرت ہی زہر بھی جو ملے بزمِ دوست میں   سم ہی جو ہو شراب بھی جلسہ میں غیر کے

کیوں شاد ہم نہ کہتے تھے تکیہ نہ کیجیے
کہنے میں یار آگیا پھر ایر غیر کے

ہوس عیش نہ اُمید بقا باقی ہو | جب یہ دونوں نہیں باقی ہیں تو کیا باقی ہو
کوئی کھٹکا نہیں جب موت کا کھٹکا نہ رہا | زندگی ہو وہی جو بعد فنا باقی ہو
وہ بھی آقا مرے بن جائیں میں جن کا ہوں غلام | اب دعاؤں میں یہی ایک دعا باقی ہو
رات دورات کا وقفہ بھی کوئی وقفہ ہو | صبح محشر کے عیاں ہونے میں کیا باقی ہو
ہم مٹیں لاکھ نہ بھولے گا کبھی وہ ہمکو | پھر فنا کچھ نہیں جب ذات خدا باقی ہو
ہچکیاں لیتا ہو بیمار نگہ ہو سوئے در | آؤ ایسے میں کہ اُمید شفا باقی ہو
درِ میخانہ ہو وا خم میں لبالب ہو شراب | ہاں بڑھا ہاتھ کہ ہنگام دعا باقی ہو
پہلے میں سُن بھی تو لوں اپنے سوالوں کے جواب | بعد کو عرض کروں گا جو گلا باقی ہو
دل میں رندوں کے جگہ اپنی بنالے اے مست | بزم ساقی میں بہت کچھ تری جا باقی ہو

یوں سمجھ لو کہ ہو موجودہ جہاں کی نعمت
شاد جس وقت تک آنکھوں میں حیا باقی ہو

جلوۂ حُسن خدا ساز ستم ڈھاتا ہو | کیا کہیں دیکھ کے انساں سے رہا جاتا ہو
موت کے نام سے دل ہو کہ ڈھہا جاتا ہو | کون کہتا ہو کہ دم زیست سے اُکتاتا ہو
ناصحا لٹتے ہیں موتی اگر آنسوں کے کُٹیں | اپنا گھاٹا ہو گرہ سے تری کیا جاتا ہو
وصل پر کیا ہو کسی بات سے مایوس نہو | میں تو کیا شے ہوں خود اللہ بھی فرماتا ہو

نامہ بر آئیں گے وہ کل تلک آنکھیں تو ملا — مجھکو باور نہیں کیوں جھوٹ قسم کھاتا ہو

دل کا کیا ذکر رہ شوق ہو یا کوچہ حُسن — چوٹ کھاتا ہو یہ نادان جدھر جاتا ہو

کٹنے والی ہو مقرر شب غم اے دل زار — دُھن ہو کس بات کی کاہے کو سُوا جاتا ہو

کچھ نہیں ہو جو کم میں نہ سہی اے میخوار — صبر کر پیر خرابات سخی داتا ہو

کس کے اُترے ہوئے کپڑوں کی مہک پاتا ہوں — کیوں مری روح کو خوشبو میں مزا آتا ہو

یوں ہیں قتل نکر تیری نزاکت کی قسم — اس کا الزام بھی قاتل مرے سر آتا ہو

قید ہستی سے یہ ہو تنگ کہ دل رہ رہکر — صورتِ طائر پر بستہ پھڑک جاتا ہو

دفتر شعر کو یوں رکھتا ہوں اب بستوں میں — جیسے میت کو تحسرت کوئی کفناتا ہو

دھوکے دیتی ہو مجھے منتظری اے شب غم — خود بخود چونک کے کہتا ہوں کہ کون آتا ہو

موج و مفتوں کی جدائی ہو بہت شاق مجھے
زندگی کرنے سے بھی شاد دم اُکتاتا ہو

نگاہِ یار عاشق کو جلا کر خاک کرتی ہو — خوشا وہ دن کہ جس دن خاک سے پھر پاک کرتی ہو

کبھی ٹکراتی ہو زمیں سے کبھی جھولے جھلاتی ہو — شہیدوں کے سروں سے دل لگی فتراک کرتی ہو

عجب حسرت سے میں اے ضعف تکتا ہوں گریباں کو — ہوائے دشت دامن دشت کا جب چاک کرتی ہو

جو دیکھے غور سے سارا بھرم کھلتا ہو دنیا کا — مصیبت آدمی کو صاحب ادراک کرتی ہو

سکھاتی ہو اُن آنکھوں کو جہاں زیر و زبر کرنا — غرض کیا کیا کرشمے گردش افلاک کرتی ہو

پڑے ہیں رہ رہ کے تو اے نا اُمیدی دل کو چھیڑ جا — یہی مہمیز رخش عمر کو چالاک کرتی ہو

بہار باغ تو ہی اول و آخر بتا اس کا — خوشی کی آمد آمد کیوں مجھے غمناک کرتی ہو

جنوں خیزی شب ہجراں کی مجھ سے کچھ نہ پوچھو تم — یہ کافر رات بام و در کو وحشت ناک کرتی ہو

اسی کوچہ میں رہبر کو بھی رستہ سدہ نہیں ملتا

خودی ای شاد انساں کی سمجھ کا واک کرتی ہو

کسی کے دل کو الفت کی اگر نعمت نہیں ملتی — جوانی کی جو اک لذت ہو وہ لذت نہیں ملتی

ازل سے حسرت و امید توام ہیں سن ای ناصح — کسے انکار ہو اس سے مگر صورت نہیں ملتی

برا ہو بے قراری کا اسی نے بے اجل مارا — کہیں کچھ حال دل یہ بھی ہمیں مہلت نہیں ملتی

ہزار آرام کے ساماں ہوں لیکن ہو طلب جس کی — وہی جب تک نہو اس روح کو راحت نہیں ملتی

زمانہ کے تغیر کا جوانو کیا ٹھکانا ہو — جو کل صورت تھی اس سے آج کی صورت نہیں ملتی

فقط دولت کا واقر جمع ہو جانا نہیں کافی — خصائل جب تلک اچھے نہوں عزت نہیں ملتی

بھلا گر چاہتا ہو آ کے ہم رندوں میں داخل ہو — فقط تقوا سے زاہد یاد رکھ جنت نہیں ملتی

کہا مانو مرا سمجھو غنیمت نوجوانی کو — جوانو عمر بھر ڈھونڈھے سے یہ نعمت نہیں ملتی

غضب کی الجھنیں ہیں زندگی بس بس ہیں باز آیا — یہ اطمینان دم لینے کی بھی مہلت نہیں ملتی

غضب کا تفرقہ آپس میں ہم رندوں کے ہو ساقی — جو صورت اتفاقاً مل گئی سیرت نہیں ملتی

مرے یاران رفتہ کھو گئے ای شاد کچھ ایسے

کہ اب ان مٹنے والوں کی ہمیں تربت نہیں ملتی

گلے میں طوق بیڑی پاؤں میں ہاتھوں میں پھندا ہو — کشاکش میں پڑا ہے آدمی مجبور بندا ہو

بڑے غافل ہیں جو دل ہیں کدورت جمنے دیتے ہیں — خط طغرا ہیں تیرا اس نگیں پر نام کندا ہی

کھلے پڑتے ہیں پھول اس باغ میں آؤ نہ کیوں شبنم — نگاہِ دوربیں میں گریۂ ماتم پہ خندا ہی

تصورِ آدمی کا لامکاں تک اُڑ کے جاتا ہی — نہ پہونچے جس کو شاہیں کی ہوا یہ وہ پرندا ہی

خدا کے آگے جھکتا ہی فقط جنت کے لالچ سے — یہ کافر آدمی اپنی غرض کا آپ بندا ہی

نہ پوچھو مصلحانِ قوم کی ای شاد حالت کو

کمیٹی میں رزولیشن کی ہی بھرمار چندا ہی

ہجوم غم با ایں روشن دلی یہ حال میرا ہی — کہ ہی دن دوپہر میری نظر میں گھپ اندھیرا ہی

کہاں کا کفر جب منکر بھی ایماں اس پہ رکھتے ہیں — جسے تو کفر سمجھا ہی وہ خود پندار تیرا ہی

مسافر کب کے پہونچے اپنی منزل پر مگر اک ہم — یہی سوچا کئے دن بھر ابھی بیٹھو سویرا ہی

یہ کس میں تاب طاقت ہی کہ اس کو بس میں کر رکھے — زمانہ آپ اپنا ہی نہ تیرا ہی نہ میرا ہی

جہاں بیٹھے وہیں ساماں مہیا ہو گیا سارا — فقیرِ بے نوا کا گھر کہیں ہی اور نہ ڈیرا ہی

نہ کیونکر ملک اپنی شاد میں سمجھوں دو عالم کو

زہے قسمت کہ سب کچھ یار کا ہی یار میرا ہی

میں اس صباحت کو کیا بتاؤں نمونہ صبح بہشت کا ہی

خدا کی قدرت ہی تیرا عارض پھر اس کو جو کچھ کہوں بجا ہی

معاملہ روح کا ہی نازک بتائیں کیا گو مگو کی جا ہی

کسی نے اب تک نہ یہ خبر دی کہ کیوں ہی کس وقت سے ہی کیا ہی

یہ چیز کیوں چھین لی عطا کر یہ درد کیوں دیدیا دوا کر
حجاب آتا ہے ہاتھ اُٹھاتے دعا بھی کس طرح کا گلہ ہے

کسی کو عشرت ہے رات اور دن کسی کو غم سے نہیں فراغت
یہ مختلف حال بھی جہاں میں عجب طرح کا معاملہ ہے

دیئے ہوئے تیرے سب قُوا ہیں ترا بنایا ہوا ارادہ
جُھکا اگر جرم کی طرف وہ تو اس میں بندہ کی کیا خطا ہے

پلائی ساقی نے آپ مجکو پھر اس پہ غصہ بھی ہے کہ پی کیوں
یہ جرم ناکردہ بخشوا لے اسی میں شاد ترا بھلا ہے

یہی کہ وقت عزیز کھو یا دلوں میں تخم سخن کو بو یا
بتاؤ ہے جرم شاد کا کیا زمانہ کیوں اس قدر خفا ہے

پروانہ کی میت جب یوں آگ میں جلتی ہے — گو سخت ہے ظاہر میں پھر شمع پگھلتی ہے
اے دیدۂ تر دستور آخر یہ کہاں کا ہے — دن بھر میں تری ندی سو بار اُبلتی ہے
اُمید اور اس پر بھی اُن آنکھوں کی بہکائی — جب بیٹھ گئی دل میں ٹالے کہیں ٹلتی ہے
جب ٹھان لیا دل نے اُس کوچہ میں جائینگے — اس پائے شکستہ کی پھر کیا کوئی چلتی ہے

اُس چاندسی صورت پر پڑتی ہے نظر جس دم
اے شاد سنبھالے سے کب طبع سنبھلتی ہے

نہ کیوں نگاہ میں واعظ کی مے بُری ہوتی — کبھی غریب نے چوری چھپے تو پی ہوتی

بھلے کو شیخ نہ ذکر بتاں پہ کچھ بولے　　مری تو موت بھی یاروں کی دل لگی ہوتی
بتاؤ صحبتِ ناصح سے کیوں نہ اُکتاؤں　　کبھی تو بات کوئی کام کی بھی کی ہوتی
اُمید سچ ہے مری ذات سے تھی وابستہ　　میں اس کے سامنے ہوتا تو یہ ستی ہوتی
دیا جواب نہ واعظ کی تلخ باتوں کا　　مری زباں بھی جو کھلتی تو پھر بری ہوتی
میں عمر بھر ترے احساں کو بھولتا نہ صبا　　جو تجھ سے وا مرے دل کی کبھی کلی ہوتی

سیر کر سیر جو ہے دیدۂ بینا باقی　　جب تک آنکھیں ہیں جبھی تک ہے تماشا باقی
کاش جیتے یونہیں مر مر کے کئی بار اے دل　　سیکڑوں سال رہے گی ابھی دنیا باقی

ضعیفی ہمیں دور پہونچا چکی ہے　　مسافر کی منزل قریب آ چکی ہے
سمیٹے ہیں اپنے قدم فصلِ گل نے　　خزاں دور تک پاؤں پھیلا چکی ہے
چلے باغ سے ہم کب اے وحشتِ دل　　کلی جب کہ ہر شاخ میں آ چکی ہے
نہ اُمید کی بات سن سننے والے　　ہمیں مدتوں دام میں لا چکی ہے
نہیں بے زری میں طلب جام مے کی　　کبھی کچھ تو ساقی سے منوا چکی ہے
نظر پڑتے ہی اُن نگاہوں کی برچھی　　مرے سینہ و دل کو برما چکی ہے

عجب کیا جو اب شاعری چھوڑ دوں میں
طبیعت مری **شاد** اُکتا چکی ہے

طلب جنّت کی ساقی ناروا ہے　　بجز اپنی غرض کے اور کیا ہے
تکلّم کا مزا دم میں ہوا ہے　　خموشی تیری لذت دیرپا ہے

بھروسا کر لیا ہے تو نے جس پر — وہی اے آدمی تیرا خدا ہے

قیامت خود نہیں ہے وحشت انگیز — قیامت بیچ میں بیم و رجا ہے

سہارا کیوں نہ ٹوٹے پیری کی ہمت — یہی مجھ پا شکستہ کا عصا ہے

کروں اے **شاد** کیا صہبا کی تعریف

جو کم کم پیجیے اس کو دوا ہے

جو مرض کوئی ہو دوا کرے۔ جو بلا کوئی ہو دعا کرے ۱

جو دوا دعا میں اثر نہ ہو تو بتایئے کہ وہ کیا کرے

چلے آئے موج میں اس طرف کہ فقیر طالب دید تھے ۲

نہیں رحم کرتے جو اے بتو تو خدا تمہارا بھلا کرے

یہ ستم بنا ہے کہ ذکر تک ستم و جفا کا ہے جاں گسل

جو گلہ سے نکلے غبار کچھ تو بلا سے خوب گلا کرے

نہیں یاد قصۂ طور کیا کہ کلیم کا تھا قصور کیا

نہیں مانتا دلِ بے حیا کہو کاش اب تو حیا کرے

یہ تغافل اُس کا مٹے کہیں مری جان جاتی ہے دوستو

کہو ہاتھ جوڑ کے یار سے کہ بلا سے خوب جفا کرے

ملے یار **شاد** کو گر کہیں تو یہ چاہتا ہے کہ دم بدم

وہ کہا کرے یہ سُنا کرے یہ کہا کرے وہ سنا کرے

کیوں ساقیا ہماری ہی قسمت کی گھٹ گئی ۔ برچھی لگی جگر پہ یہ سُنکر کہ گھٹ گئی
رخصت ہوئے وہ ہم سے شبِ وصل کٹ گئی ۔ ای صبح تو نہ اُن کے گلے سے لپٹ گئی
رشک رقیب بھی ہی شبِ غم کے ساتھ ساتھ ۔ یہ اور اک بلا مِرے پیچھے لپٹ گئی
ہم تو نہیں کسی کی فصاحت کے معترف ۔ پیاری تھی وہ زبان جو ترا نام رٹ گئی
کیوں باغباں نے پھول دیا لا کے ہاتھ میں ۔ ناحق لگی لگائی طبیعت اُچٹ گئی
آتی تھی صبح بھی شبِ غم کے عقب مگر ۔ پایا مجھے جو نزع میں پیچھے پلٹ گئی
دوری کا راہرو نے تری جب گلہ کیا ۔ ٹھہرا کے خود زمین وہاں کی سمٹ گئی
اظہار شکر بھول گیا میں جو ساقیا ۔ ساغر کے ساتھ ساتھ صراحی بھی ہٹ گئی
غنچوں کے مسکرانے پہ کہتے ہیں ہنس کے پھول ۔ اپنا کرو خیال ہماری تو کٹ گئی

ماتم کا شور ہوتا ہی ہمسایہ میں کہیں
بیڑی کسی اسیر کی ای شاد کٹ گئی

وفا و فا کو تو بیداد کو جفا کہیے ۔ بھلا ہو جس کا مآل اُس جفا کو کیا کہیے
بھرے ہوں آنکھ میں آنسو خمیدہ ہو گردن ۔ تو خامشی کو بھی اظہار مدعا کہیے
کیا ہی دشت جنوں میں یہ بیکسی نے تنگ ۔ ملے تو غول کو بھی خضرِ رہ نما کہیے
الگ ہیں تو سمجھیے کہ بد ہی نیت شیخ ۔ جو میکدہ میں ہوں داخل تو بے ریا کہیے
ملے نجات جو طوفاں سے دل یہ کہتا ہی ۔ خدا کو بھول کے الطاف ناخدا کہیے
فدا ہو جان جو اُن پہ سمجھیے عمر ابد ۔ وہ دیں تو زہر ہلاہل کو بھی دعا کہیے

ہو دل میں خیر تو کیوں کیجئے بدی کا گماں — بھلائی سب میں ہو کچھ تو کیوں برا کہئے

الگ ہٹا کے ہمیں جب عدو نے کر لی آڑ — تو کس زباں سے ترے تیر کی خطا کہئے

قمر کو مہر فلک کو زمین رات کو دن — اسی پہ کیا ہو وہ جو کچھ کہیں بجا کہئے

کہوں جو کچھ تو اشارہ یہ ہو کہ چپ رہئے — رہوں خموش تو کہتے ہیں مدعا کہئے

عدو کے میکدہ واعظ ہو بلکہ زاہد بھی — جب ایک دونوں کی مت ہو تو کس کو کیا کہئے

کہیں جواب ہو اس حد کی بدگمانی کا — کہ شکر بھی جو کروں آپ اسے گلا کہئے

شراب تند سر رہ گزار میخانہ — بھرا نہ جام تو ساقی کو مرحبا کہئے

زمانہ اور ہو جھکئے برابری کیسی

اب التماس کی جا شاد التجا کہئے

ہمیں کیا ہوا جو بدل گئے بڑی حیرتوں کا مقام ہو

کہ وہی فلک ہو وہی زمیں وہی صبح ہو وہی شام ہو

میں نثار اپنے خیال پر کہ بغیر مے کے ہیں مستیاں

نہ تو خم ہو پیش نظر کوئی نہ سبو ہو پاس نہ جام ہو

بڑی مشکلوں سے ہوا ہو حل یہ کتاب عمر کا مسئلہ

انھیں وصل غیر حلال ہو ہمیں شب کی نیند حرام ہو

کسی خود پسند کے ہاتھ میں نہ پڑے کوئی یہ دعا کرو

شب عمر اپنی بسر ہوئی وہاں صبح کی ابھی شام ہو

وہ کرے ذلیل کرے خجل ہوں بلا سے اُس سے خرابیاں
کہو شوق کو نہ کلام بد دلِ عاشق اُس کا مقام ہو

کوئی مر گیا تو یہ کہتے ہیں کہ فلاں نے نقل مکاں کیا
یہی قول مان لیں ہم اگر تو وجود حبس دوام ہو

اسی سوچ میں ہو دلِ حزیں کہ قیامت آنے کو آئے بھی
ہوئے اُن سے طالب دید ہم وہ کہیں گے مجمع عام ہو

کہیں بے دہن ہو ترا لقب کہیں کم سخن کا خطاب ہو
غرض اصل بات یہ کھل گئی کہ سکوت ہی میں کلام ہو

میں فدائے ساقی مہ لقا یہی میکشی کا ہو مسئلہ
وہی حکم دے تو حلال ہو وہی روک دے تو حرام ہو

سنوں میں نصیحت بے محل کروں **شاد** ترک شراب کو
نہ خدا ہو واعظ ہرزہ گو نہ رسول ہو نہ امام ہو

فلک کا ذکر تو کیا ہو زمیں کے بھی نہ رہے | ہم اپنی چال سے آخر کہیں کے بھی نہ رہے
شکایتیں تری آئین زباں پہ آخر کار | گئی جو ہاتھ سے دنیا تو دیں کے بھی نہ رہے
نظر کے سامنے رہتا ہو آئینہ ہر وقت | اب آپ اپنے تنِ نازنیں کے بھی نہ رہے
سُنا ہو بعد فنا کے ہو زندگانی پھر | اگر یہی ہو تو پھر ہم کہیں کے بھی نہ رہے
زبان حال سے کہتا ہو نام شاہوں کا | وہ نقش ہم تھے کہ قابل نگیں کے بھی نہ رہے

سوالِ وصل کیا اور ہوئے عدم کو رواں ۔ ہم انتظار میں تیری نہیں کے بھی نہ رہے

بھلا دیا دل بدخو نے دھیان زلفوں کا ۔ یہ دونوں سانپ مری آستیں کے بھی نہ رہے

بتاؤ کون سنبھالے گا شادؔ ستی ہیں

اگر حواس بجا ہمنشیں کے بھی نہ رہے

ہم اُن سے دور ہیں کہ وہی دور ہو گئے ۔ اب اس کے دیکھنے سے بھی معذور ہو گئے

پرتو پڑا جو اُس رُخِ روشن کا باغ پر ۔ تھے جتنے نخل سب شجرِ طور ہو گئے

لے کون جام ساقیِ مہوش کے ہاتھ سے ۔ ہم تو بس اک نگاہ میں مخمور ہو گئے

گھائل جگر جدا ہے دلِ ناتواں جدا ۔ اچھے ہوں کیا کئی کئی ناصور ہو گئے

شہرت میں اُن کی ہو گی نہ پائندگی کبھی ۔ جو لوگ اتفاق سے مشہور ہو گئے

شیشے سے بھی سوا تھے ہماری بساط کیا ۔ جھونکا لگا ہوا کا، گرے، چور ہو گئے

ہم دیکھتے نہیں ہیں تجھے اے شبِ وصال ۔ یا دیدہ ہائے خلق بھی بے نور ہو گئے

ہر ایک کی اُٹھاتے ہیں اے شادؔ کیا بتائیں

دنیا میں رہ کے مفت کے مزدور ہو گئے

درِ دوست پر ہوں جھکائے سر مرے دل کو شغلِ نیاز ہے

نہ قعود ہے نہ قیام ہے یہ عجب طرح کی نماز ہے

جو کہوں تو ختم نہ ہو سکے جو سنے کوئی تو خلش رہے

ترے دونوں گیسوؤں کا بیاں مری زندگی سے دراز ہے

کوئی بات اُٹھا نہ رکھی غرض تھی نگاہ شوق وہ بربلا
عجب اس کا کیا جو وہ بخش دے کہ رحیم بندہ نواز ہے
کہیں ایک وعدہ وصال کا جو وفا ہوا بھی تو کیا ہوا
مجھے حیف اپنی نگہ پہ ہے اُنھیں اپنے جلوہ پہ ناز ہے
نہیں مدتوں سے وہ ولولہ دلِ زار سینہ میں جل گیا
فقط ایک ڈھیر ہے راکھ کا نہ وہ سوز ہے نہ گداز ہے
جو کہیں حریف وہ کہنے دے کہ مقام بھی ہے سکوت کا
کہاں سمجھیں اہل قرے اسے کہ یہ شاد بانگ حجاز ہے

پس از معشوق مرنا عشق کو بدنام کرنا ہے | خدا مجنوں کو بخشے مر گیا اور ہم کو مرنا ہے
تعلق چھوڑ دیں پائیں کہاں تیرا سا دل زاہد | ہمیں تو زندگی بھر دم اُسی کا ذکا بھرنا ہے
صبا مشاطۂ شبنم سے کہہ دے جلد حاضر ہو | چمن میں نوعروسوں کو نہا دھو کر نکھرنا ہے
اکڑ لیں اہل دولت ہمکو اُن کی ریس کیا لازم | اُنھیں مرنا نہو شاید مگر ہم کو تو مرنا ہے
اُمید و بیم کے دریا کی طوفاں خیز موجیں ہیں | کھڑے ساحل پہ ہیں اور پیر کر اُس پار اُترنا ہے
امید و نا اُمیدی کی طرف رُخ تک نہیں کرتے | بہرصورت ہمیں تو کام اپنا کر گزرنا ہے

کبھی غافل نہ رہنا نفس سے اے شاد سُن رکھو
اگر ڈرنا ہے دنیا میں تو اس دشمن سے ڈرنا ہے

کون سی بات نئی اے دل ناکام ہوئی | شام سے صبح ہوئی صبح سے پھر شام ہوئی

وقت رخصت ہی مسافر کو جو فکر انجام | عمر بھر کون سی تدبیر سر انجام ہوئی
لعل احمر سے بھی رتبہ میں سوا ہیں وہ لب | داغ دیدہ ہوئے گر عادت دشنام ہوئی
باتیں واعظ کی کہاں تو نے اڑا لیں ای مست | میکشی مفت تری چال سے بدنام ہوئی
سچ ہی غیروں کی کہاں موت کجا موت تری | اب پریشاں نہ تری زلف سیہ فام ہوئی
جھک کے صیاد نے کچھ ہنس کے جو چہرہ دیکھا | نو گرفتار کو اک عید تہہ دام ہوئی
خضر بھی راہ رضا میں یونہی دیکھا کئے منہ | مرحلہ سخت تھا لغزش مجھے ہر گام ہوئی

شاد ایجاد کرو پھر نئی ترکیب کوئی
جو روش خاص تمہاری تھی وہ اب عام ہوئی

کمال دل کو خوشی ہوئی تھی کہ عشق دنیا میں مغتنم ہی | مگر ہوا تجربہ تو دیکھا کہ عشق بھی حوصلہ سے کم ہی
شب جوانی کے سونے والو یہ خواب نوشیں نہیں ہی سم ہی | اداسی کہتی ہی آسماں کی قریب ہی صبح رات کم ہی
کہاں کی یہ بیخودی سمائی کہ دکھ کا دکھ ہی نہ غم کا غم ہی | پڑا ہوں مردوں سے شرط کر کے نہ جی میں جی ہی نہ دم میں دم ہی
ہو منزل عمر جائے حیرت قدم کہیں اپنا ڈگ نہ جائے | عجب دوراہے پہ میں کھڑا ہوں ادھر ہی ہستی ادھر عدم ہی
رہ محبت میں رکھ قدم کو ہوس نکر سیر کی جہاں کے | کہ اس میں جو نقش پا ہی غافل نگاہ عبرت میں جام جم ہی
تری خوشی کا ہی نام جنت ترے غضب کا لقب جہنم | اسی میں تیری اگر رضا ہی تو ہم کو دوزخ بھی باغ ارم ہی
تمام اعضا کو سمجھو دولت غنی ہیں پھیلائیں ہاتھ کیوں ہم | خود اپنی مٹھی ہی اک خزانہ کہ اس میں جو نقش ہی درم ہی
نہ پوچھ ساقی کی بزم کی کچھ خدا جو پہونچائے جا کے پہونچو | مباح ہی واں تو خم کا خم بھی یہاں تو قطرے کی بھی قسم ہی
الٰہی شبنم رہے سلامت بہار کی یادگار ہی یہ | کہ باغ سوکھا پڑا ہوا ہی مگر زمیں دیکھئے تو نم ہی

زمانہ اک یہ بھی ہجر کا ہی لحد سے لے تا بروز محشر   مگر کچھ اس کا بھی غم نہیں ہی لقب اسی کا اگر عدم ہی

کہاں تلک بے نتیجہ محنت کہاں تلک شاد دل کو کاہش

ہوئی جو نفرت تو دور پھینکا نہ پاس کاغذ نہ اب قلم ہی

سب اپنے حال میں ہیں مست کیسا یادہ خانہ ہی   ترے صدقے مگر اک تو یہاں ساقی یگانہ ہی

بدی کا ذکر کیا ہی پھر بدی ہی سب کی نظروں میں   مرا جو فعل نیکی کا ہی وہ بھی مجرمانہ ہی

حقیقت کچھ نہ اس دنیا کی پوچھو آنکھ والوں سے   یہ بزم اندھوں کی مجلس اور یہ گھر آئینہ خانہ ہی

مقرر صاعقہ کا منہ پھرا دیگا سن اے دہقاں   اگر اس کشت کے اندر مری قسمت کا دانہ ہی

لئے بیٹھے ہیں ہم ترک دعا کی آرزو دل میں   حقیقت میں یہ استغنا بھی اپنی سالانہ ہی

ہوئے سب خاک شنوا ہو کہ ناصح گوش ناشنوا   نہ وہ طوطی کی آوازیں نہ وہ نقار خانہ ہی

دل نالاں کی رخصت پیش خیمہ ہی امیدوں کا   جرس آگے سدھارا کارواں پیچھے روانہ ہی

مٹایا وقف حاجی گنج نے شاد اس محلہ کو

وہ شاہانہ عمارت ہی نہ وہ دیوان خانہ ہی

دنیا کو جھینکتے ہیں عبث اہل فن پڑے   اس بیسوا کو ترک نہ کردیں جو بن پڑے

جاتے ہو سیر باغ کو باریک ہی نگاہ   عارض کا لو زدا من گل پر نہ چھن پڑے

گیسو سے اپنے دل کو کہو تو نکال لوں   سر کاٹ لو جو بال برابر شکن پڑے

آمادگان قتل کو کہتے نہیں وہ قتل   سڑتے ہیں مدتوں سے ہزاروں کفن پڑے

غربت سے مدتوں پہ چلا ہوں سوے عدم   اچھا تو ہی جو راہ میں اپنا وطن پڑے

پہونچائی بوئے گل نے ناز ک مزاج تک — پتھر تری سمجھ پہ نسیم چمن پڑے
زاہد اگر پلائیں وہی تجھکو جام مے — تجھ سے توبہ پیتے ہوئے ہرگز نہ بن پڑے
بے قدر اُن کے گوہر دنداں نے کر دیا — دو کانوں میں ہیں کتنے ہی در عدن پڑے

اے شادؔ یہ حیات بھی ہے اک طرح کی موت
گو یا سسک رہے ہیں ہم ارباب فن پڑے

نہ درد دل پہ حکومت نہ تو ہمارا ہے — بجز سکوت کے اے دوست کون چارا ہے
تڑپ گیا ہوں کوئی جب تجھے پکارا ہے — ترا تو نام ہے ایسا کہ سب کو پیارا ہے
سنیں کہ ہم نہ سنیں تو نے خود دیا ہے جواب — ہجوم یاس میں جب جب تجھے پکارا ہے
ہزار کیجئے کاوش مگر عروج محال — ہمارا نالہ تو گرتا ہوا ستارا ہے
ق
کچھ آپ کا نہیں وعدہ کہ جس پہ ہو نہ وثوق — جو پوچھئے تو اجل کا بڑا سہارا ہے
بتوں کی شان جو دیکھو تو اعتقاد کے ساتھ — یہ حسن حسن حقیقی کا استعارا ہے
نہ ہو اطاعت عاشق کا اعتبار مگر — کسی غریب نے مرنے میں دم بھی مارا ہے
گلہ جواب نہ دینے کا ہے مگر سن رکھ — پکارنے کی طرح کون اُسے پکارا ہے
فقط بہشت میں جائیگا واعظ مغرور — کہ سب تو غیر ہی اک خدا کا پیارا ہے
کہاں رقیب کا گھر آپ کا کہاں دیدا — برا ہو شوق کا کم بخت سب گوارا ہے

ہم اُس سے ہم سے وہ چھوٹے مجال کیا اے شادؔ
سمجھ کے ہم سے جو ملتا ہے وہ ہمارا ہے

دیکھے گئے نہ جور و ستم آسمان کے | بستر پہ ہم بھی پڑ رہے چادر کو تان کے
مشتاق وصل جان سے جاتا ہے اک غریب | آؤ اگر خلاف نہو اپنی شان کے
شکوہ ہے بلبلوں کو قفس میں بہار کا | لالے پڑے ہیں آپ وہاں اپنی جان کے
افسوس ہے یہاں بھی نہ پایا دُرِ مراد | روح آئی تھی عدم میں بڑی خاک چھان کے
گزری ستم کشوں پہ جو گزری فراق میں | خیر اب وہ بات بھی نہیں قابل بیان کے

اے شاد سیر گاہ تھی اپنی فضائے محض
عادی نہ تھے ہم ایسے بھیانک مکان کے

ہمارے حصہ کی ساقی کبھی تو آہ ملے | کبھی تو بھول کے اس رند سے نگاہ ملے
حرم ہو دیر ہو آخر تھکے مسافر کو | ملے کہیں تو ٹھکانا کہیں تو راہ ملے
غریب جام سے کچھ کچھ کے یوں ملا ساغر | کسی فقیر سے جس طرح بادشاہ ملے
ہے مقتضائے کرم یہ کہ اپنے شیدا سے | اگر بہت نہیں ملتا تو گاہ گاہ ملے
نہ پہونچوں در تلک اُس آستاں کو دیکھ تو لوں | ملے نہ بار مگر تیری بارگاہ ملے
ہوائے شوق میں چلا رہے ہیں یوں ذرّے | کسی طرف تو ہمیں تیری جلوہ گاہ ملے
میں اور عرض کروں کیا جناب ناصح سے | بس ایک آپ غریبوں کے خیر خواہ ملے
مزاج بڑھ کے شب غم کا پوچھ لیں ہم بھی | جو روز حشر کسی جا یہ روسیاہ ملے

کہیں تو پاؤں کو پھیلا کے سوئے راحت سے
کہیں تو شاد کو اے زندگی پناہ ملے

یا بڑھاپا ہی یا جوانی تھی ۔ عمر دو بول کی کہانی تھی
کس زمانہ سے حشر ہوتا ہی ۔ بات یہ بھی تری زبانی تھی
اپنے گھر وہ تھے یا خدا کی ذات ۔ میں تھا اور لاکھ بدگمانی تھی
میں نہ بھولوں گا حشر تک اَی عمر ۔ کیا ہی دل کش تری کہانی تھی
نزع میں آئیں گے وہ بالیں پر ۔ یہ بھی اُمید دل میں آئی تھی
غم کے کھانے میں بھی مزا نہ ملا ۔ تلخ عاشق کی زندگانی تھی
کچھ نہ تھی داستانِ باغ و بہار ۔ صرف بلبل کی خوش بیانی تھی
وعدہ وصل پر لگا رکھّا ۔ یہ بھی اک اُن کی مہربانی تھی
ایسی لپٹی کہ جان لے کے ٹلی ۔ بد بلا اپنی زندگانی تھی
تو ہی نے آرزو کو چھین لیا ۔ تیری ہی دی ہوئی نشانی تھی

سرگزشت اپنی کیا سناؤں **شاد**
رشکِ پیری مری جوانی تھی

گزر گئے ہیں جوانی کے دن جو غفلت سے ۔ اب ایک ایک کا مُنہ تک رہے ہیں حسرت سے
میں بال بال ہوں ممنون اس عنایت کا ۔ بھرا ہی جام کو ساقی نے کس محبت سے
بہت مصر نہو فریاد کے لئے صیاد ۔ گلے میں سانس اٹکتی ہی اب نقاہت سے
سبو کی جا مجھے خوش ہو کے خم کے خم دے گا ۔ کہ پیرِ میکدہ واقف ہی میری عادت سے
فریب اُن کی ادا کا نہ کھائیو اَی دل ۔ وہ غیر کو بھی یونہی دیکھتے ہیں الفت سے

جمال یار کا قصہ چمن میں چل کے کہو ۔۔۔ گلوں کے کان کھڑے ہوں گے اس شکایت سے
کبھی یہ عمر دوروزہ نہ تلخ ہو جاتی ۔۔۔ وہ زہر بھی مجھے دیتے اگر محبت سے
تمام عمر رہا تن پر ایک پیراہن ۔۔۔ گلوں نے عمر بسر کی ہر کس قناعت سے
بقدر ظرف ہر اک کو عطا ہوا بادہ ۔۔۔ رُکی زبان نہ کسی رند کی شکایت سے

ہزار صاحب ہمت ضعیف ہو ای شاد
پہاڑ کو بھی اُٹھالے گا اپنی جرأت سے

بند آنکھیں ہیں کسی کا دھیان ہی ۔۔۔ مرنے والوں کی یہی پہچان ہی
اُس پری سے حور کو نسبت نہیں ۔۔۔ سچ کہے انسان اگر ایمان ہی
قہقہہ کیسا کہ باتیں بجھی گئیں ۔۔۔ اب تو نالہ حلق کا دربان ہی
ہم گئے دنیا سے وہ آتے رہے ۔۔۔ اس میں کیا ہو اپنی اپنی آن ہی
اک ادا کے ساتھ دونوں ہی گئے ۔۔۔ جسم میں دل ہی نہ دل میں جان ہی
میرے گھبرانے کا ہو کیونکر اثر ۔۔۔ دل ہو اپنے بس میں اطمینان ہی
اللہ اللہ ماہ رویوں کا نکھار ۔۔۔ جس طرف دیکھو خدا کی شان ہی

بات کرنا ہی بہت دشوار شاد
یوں تو ظاہر میں بہت آسان ہی

دل کو نثار کر دیا جانِ عزیز کھو چکے ۔۔۔ فرض تھے ہم پہ جتنے کام آج تمام ہو چکے
دن کو تو اپنے حال پر بیٹھ کے خوب رو چکے ۔۔۔ کم نہیں اس پہ بھی قلق آج بھی شب کو سو چکے

اُن کی بلا کبھی صبا کیوں نہوں اب کنارہ کش　　عین بھنور میں لاکے جب ناؤ مری ڈبو چکے

ہے لب بام آفتاب عمر کا دن اخیر ہے　　کام بہت ہیں روح کو جسم کا بوجھ ڈھو چکے

شرط وفا تو ہے یہی ساتھ کیا تو ساتھ دے　　ابر برس کے کھل گیا دیدۂ تر بھی رو چکے

اِک تو اُگے نہ آپ سے اور جو اُگے تو بو نہ دے　　اب تو زمین دل میں ہم تخم وفا کو بو چکے

گریہ بھی حیرتیں ہیں شاد دیدۂ غم نصیب کی
رکھ کے جبین شوق ہم یار کے در پہ رو چکے

پڑا ہوا تھا دل اس کوچہ سے اُٹھا لیتے　　مگر جو دی ہوئی شے تھی تو اس سے کیا لیتے

یہ اتفاق کہ دیدار ہو گیا دم قتل　　وہ ایسے وقت منہ اپنا اگر پھرا لیتے

بوقت نزع وہ ناحق چلے گئے اٹھ کر　　ہم ایسے وقت تو آنکھوں کو خود پھرا لیتے

خدا جو حشر میں کہتا کہ لے جو لینا ہو　　تو پھر اسی دل محزوں کو ہم اٹھا لیتے

یہ کان طنز کی باتوں سے آشنا ہی نہیں　　جو دل ہم اور کو دیتے تو آپ کیا لیتے

لگا چکے تھے اگر تیغ چور کرنا تھا　　اُٹھانے والے جنازہ مرا اُٹھا لیتے

عدم میں آنے سے روکا کمی طاقت نے　　ہم اُٹھتے بیٹھتے اس کارواں کو آ لیتے

شہید ناز کو لازم ہے شکریہ اُن کا　　وہ رکھ کے حلق پہ خنجر اگر اُٹھا لیتے

ابھی تو شاد شکایت کا کچھ نہ تھا موقع
وہ پہلے کھول کے دل خوب سا ستا لیتے

طبقے فلک سے لاکھ ملاؤں زمین کے　　لے جائیں گے مگر وہ مرے دل کو چھین کے

وحشت نے ہاتھ چھوتے ہی پہونچا پکڑ لیا　　بغلوں تلک پہونچ گئے چاک آستین کے

کھونا نہ تھا گلی میں تری نقد عمر کو　　محتاج ہیں پڑے ہوئے دو گز زمین کے

مانیں گے عشق کی ہمیں اوروں سے کام کیا　　نوکر ہیں کفر کے نہ ملازم ہیں دین کے

گھر کرکے دل میں زہر اُگلتے ہیں رات دن　　نالے تو اور بن گئے سانپ آستین کے

آنکھوں سے سوجھنا بھی گیا انتظار میں　　شیشے خراب ہوگئے اس دوربین کے

نالے مرے جو خاک اُڑانا کریں شروع　　مِل جائیں آسمان سے طبقے زمین کے

ای شاد جس کے پاس امانت ہو نقد دل
قربان جان و دل سے ہم ایسے امین کے

ظاہر میں جو نیاز تھا وہ بات بھی گئی　　ای خواہش وصال ملاقات بھی گئی

آئی نہ آج بھی شب فرقت میں اپنی موت　　افسوس انتظار میں یہ رات بھی گئی

دیکھا جواب خط تو دیا عمر نے جواب　　صد حیف جان بھی گئی اور بات بھی گئی

آنکھوں میں جو تری تھی وہ اب تک ہے جوں کی توں　　جاڑوں کی فصل آگئی برسات بھی گئی

رونا تھا میکدہ میں نہ اس طرح لے کے جام
ای شاد آبروے خرابات بھی گئی

نگاہیاں ہیں کچھ ایسے ادا و ناز اُن کے　　کہ بہکے جاتے ہیں لغزش سے پاکباز اُن کے

خدا کی شان کہاں میکدہ کہاں واعظ　　کدھر ہیں بادہ پرستوں سے احتراز اُن کے

تجھی کو نزع میں پوچھا ترے خموشوں نے　　اخیر وقت جب آیا تو چھپے نہ راز اُن کے

جسے نصیب ہوئی یار تیری ہم بزمی ۔۔۔ زمانہ بھر میں ہیں مشہور امتیاز اُن کے
نظر اُٹھانے میں ہوتا ہو باز پُرس کا ڈر ۔۔۔ جُھکائے رکھتے ہیں گردن کو سرفراز اُن کے
دلوں میں گھر نہیں کرتے جو خود پسندی سے ۔۔۔ پھرے ہیں کعبہ سے پیچھے نہ پڑھ نماز اُن کے
مراد یہ ہو کہ آئے نہ راستی پہ کبھی ۔۔۔ فلک کو پھانستے ہیں گیسوے دراز اُن کے
جنھوں نے ناز اُٹھائے نہ نازوالوں کے ۔۔۔ پسند آئیں گے کیونکر وہاں نیاز اُن کے
کہاں مذمت میخانہ اور کہاں ہم مست ۔۔۔ کلام لغو کریں گے نہ پاکباز اُن کے
تعلقات میں دنیا کے پھنس چکے تھے ہم ۔۔۔ بچائے جاتے ہیں گیسوے فتنہ ساز اُن کے
اجل کے غمزۂ بیجا سمائیں کیا دل میں ۔۔۔ تمام عمر اُٹھائے ہوئے ہوں ناز اُن کے

نہیں پسند جنھیں **شاد** عاشقانہ کلام
معاف کردو اُنھیں دل نہیں گداز اُن کے

لکھا برگ گل پر بخط جلی ہو ۔۔۔ خوشا وقت اُس کا جواب تک کلی ہو
پراگندہ برگ خزاں ہو رہے ہیں ۔۔۔ یہ کیسی ہوا اِس زمانے چلی ہو
شبِ ہجر کی سخت گیری نہ پوچھو ۔۔۔ جو لے لیں ہیں جانیں تو کافر ٹلی ہو
اجل توڑ آ کر نہ اُمید پیری ۔۔۔ لڑکپن سے دامن میں اپنے پلی ہو
مری قبر پر لکھنے والو یہ لکھدو ۔۔۔ یہ عاشق اُسی کا تھا جسکی گلی ہو
خرابات کا حال کیا پوچھتے ہو ۔۔۔ کہیں شور ہُو حق کہیں بیلی ہو
بسیرا ہو ہم نغمہ سنجوں کا جس پر ۔۔۔ وہی شاخ سب کی نظر میں بھلی ہو

نشیمن کرے شاخ گل پر نہ بلبل — کسی کو نہ یہ شاخ اب تک پھلی ہو
نہ پھیر اپنا مُنہ اس سے ای دل سمجھ لے — پھر ایسی ہو حسرت بُری یا بھلی ہو
کرے ترک جو وصل کی آرزو کو — وہ ہم عاشقوں کے جتھے میں ولی ہو

محمدؐ ہیں سرتاج سب انبیا کے
محمدؐ کا ای شاد نائب علیؑ ہو

آخر ہو عمر ضیق میں دل بھی ہو جان بھی — مردانہ باش ختم ہو یہ امتحان بھی
دنیا سرا بھی رہنے کا اپنے مکان بھی — مہمان بھی ہمیں ہیں ہمیں میزبان بھی
مٹ جائے تیری راہ میں پھیرے نہ اپنا مُنہ — عاشق کو چاہیے کہ رہے اتنی آن بھی
ساقی پلائے غیر کو اور میں رہوں خموش — ای شوق جام سخت ہو یہ امتحان بھی
جوں جوں بڑھا کرے گا تمنا کشوں کا شوق — ووں ووں بدلتی جائیگی اس رُخ کی شان بھی
کہہ دو مریض سے کہ ہم آئیں گے قبر پر — رکھ لو خدا کے واسطے اتنی سی جان بھی
کچھ تجھ پہ شک نہیں ہو مگر ای پیام بر — ہوتا ہو چند طرح کا آخر بیان بھی
نام آورو روبہاؤں نہ کس طرح اشک غم — تم خود رہے رہا نہ تمھارا نشان بھی
دل کی کہانیوں ہیں ہیں صدہا کہانیاں — حمزہ کی داستان ہو یہ داستان بھی
ای موت سچ بتا کہ یہ کیسا پیام ہو — خاموش دل کے ساتھ ہو اپنی زبان بھی
پیری مٹا رہی ہو دلوں سے وقار کو — بچوں کے ساتھ ہنستے ہیں ہم پیر و جوان بھی
تیغ ستم کبھی ہو سروں پر جدھر چلو — راحت تو کیا کہ اب نہیں ملتی امان بھی

تکیہ ہو ساتھ والوں پہ کیا راست باز کو — اس ہمرہی پہ تیر سے کج ہو کمان بھی

پیری میں جسم زار کی ترمیم تا بکے — قابل قیام کے نہ رہا یہ مکان بھی

وہ اور پیام وصل نہ مانوں گا حشر تک — گو متفق اسی پہ ہو سارا جہان بھی

ای شاد کب شریف کریں گے مضائقہ

ساتھ آبرو کے جائے اگر جائے جان بھی

قدر ہنر تھی جن سے وہ اہل ہنر گئے — یہ دور اور ہی وہ زمانے گزر گئے

جنگل کو باغ باغ کو جو خلد کر گئے — کیوں ای صبا وہ پھول چمن سے کدھر گئے

اُس بزم میں کوئی نہوا باریاب حیف — نالے بھی جو گئے تھے وہ سب بے اثر گئے

جن جن سے اک خزانۂ قدرت ہی یہ زمیں — ای چرخ کس خرابہ میں وہ اہل زر گئے

بگڑے تھے واعظوں کی جو صحبت میں ساقیا — صد شکر میکدہ میں وہ آ کر سنور گئے

زاہد کھلا نہ باب اجابت کسی طرح — چلائیے اب آپ یہاں ہم تو مر گئے

خواہان ملک و زر نہیں سودائیان عشق — خوش ہیں کہ اب سروں سے وہ سب درد سر گئے

غمخوار تیری اشک فشانی پہ مرحبا — جو داغ دل میں ڈوب چکے تھے اُبھر گئے

توبہ کی یاد آئی ہو ای شیخ کب مجھے — دو چار گھونٹ جبکہ گلے سے اُتر گئے

تکلیف اُٹھائی دل نے کہ آرام سے کٹی

ہر طرح شاد دونوں زمانے گزر گئے

جو مرنے والے تھے ای جان مر رہے کب کے — مگر تمہاری طرف منہ پھرے رہے سب کے

بہار دیکھ کے ساقی کی یاد آتی ہی | نثار ہاتھ کے اور ساغر لبالب کے
رقیب ہو کہ عدو سب کا اُن پہ تکیہ ہی | تو کیا جہاں میں وہی غم گسار ہیں سب کے
حسین ایک نہیں سو سہی زمانے میں | مگر ہمیں تو دکھائی دیے نہ مطلب کے
میں کیا بیاں کروں ای شمع اپنی حیرت کو | سحر کو ٹپکے ہیں آنسو بھرے ہوئے شب کے
ہمیشہ ہجر میں زندہ رہیں یہ مشکل ہی | خدا کی شان ہی ای عشق بچ گئے اب کے
نہ پوچھو حال مرے خود غرض زمانے کا | کچھ ایک پر نہیں جو ہیں وہ اپنے مطلب کے

ہمارے کام میں دیتے کبھی مدد ای شاد
ملے نہ ہم کو زمانے میں لوگ اس ڈھب کے

۴ داغ وحشت مرے سینہ سے مٹایا تو نے | دیکھ اُلفت مجھے انسان بنایا تو نے
مر مٹے پھر بھی کدورت نہیں جاتی ای دوست | ہر طرح سے مجھے مٹی میں ملایا تو نے
جانتا تھا کہ اُمیدیں ہیں مری نامحدود | کیوں مجھے خاک مذلت سے اُٹھایا تو نے
اس شب تار میں فریاد ہی یارب کی بلند | ای غم یار کسی دل کو دُکھایا تو نے
کچھ شکایت نہیں ای دوست جو میری نہ سُنی | یہی کیا کم ہی کہ پاس اپنے بٹھایا تو نے
اُس کے دامن کی طرف ہاتھ بڑھا جاتا ہی | اب تو ای شوق بہت پاؤں بڑھایا تو نے
تجکو بے پردگی راز گوارا ہی نہیں | کچھ سمجھ کر مجھے دیوانہ بنایا تو نے
میں نے در پر ترے بنیاد جمائی تو کیا | صورتِ نقش قدم جلد مٹایا تو نے

کون ہی وہ جو کھچا جاتا ہی دل اس کی طرف

کس کا قصہ مجھے ای شاد سنایا تونے

کہیں کیا کس قدر ہم چھپ کے جان زار سے روئے　　گلے مل کر بہت محرومی دیدار سے روئے
اُمیدیں جب بچھڑتی ہیں تو یوں آنسو بہاتا ہوں　　کوئی بیمار جیسے درد کے آزار سے روئے
تمیز حق و باطل کثرتِ غم میں نہیں رہتی　　گلے مل کر کبھی ناصح کبھی غمخوار سے روئے
اُمڈ آیا دل اُن کا بھی مرے گردن جھکانے پر　　گلے میں میرے باہیں ڈال کر کس پیار سے روئے
خدا نے کیا اثر بخشا ہے درد انگیز باتوں کو　　بہت مجھ پر جو ہنستے تھے مری گفتار سے روئے

بہت دن پر بیاباں میں جو میں ای شاد آنکلا
تو سارے آبلے مِل مل کے نوکِ خار سے روئے

جب ذرا جھونکا خزاں کا کھا گئے　　پھول نازک تھے بہت مرجھا گئے
کہہ گئے آئیں گے گھبرانا نہ تو　　میں نے سمجھا وہ مجھے سمجھا گئے
میرے ٹوٹے دل کی وہ بھی یادگار　　زخم بھی دامن جہاں پھیلا گئے
رنج و غم درد و الم اندوہ و یاس　　سب کے سب مِل جل کے ہم کو کھا گئے
غل ہوا ہر سو مبارک باد کا　　گھر سے جب ہم جانب صحرا گئے
کون دیتا منزل وحشت میں ساتھ　　تیرے دیوانے تن تنہا گئے
ہم کو ساقی نے دوبارہ پھر نہ دی　　لب تلک نالے مکرر آ گئے
یاد تھیں راتیں بھیانک ہجر کی　　شکل دیکھی شام کی گھبرا گئے
درد و رنج و غم مسافر کو ترے　　منزلِ آخر تلک پہونچا گئے

شاد اب کیوں حسرتیں دل کو ستائیں
ہم تو اُمیدوں سے بھی باز آ گئے

ای عشق حُسن کو نہ تجھی کو ثبات ہی
قصہ غریب قیس کا کُو دن کی بات ہی

ای روح اور چند دنوں کی حیات ہی
لے چین کر کہ حشر تلک کی نجات ہی

ای دوست دو جہاں ترے قدموں پہ لاکھ بار
صدقے کیے تھے کون بڑی کائنات ہی

یہ بھی کوئی فراق کی شب ہی خدا پناہ
جب دیکھتا ہوں کھول کے آنکھیں تو رات ہی

یوں رات دن خیال تمھارا تو ہی مگر
دل کو قرار ہی نہ اسی کو ثبات ہی

پڑھ کر درود جام کو بھرتا ہی لب بہ لب
ساقی کا ذکر کیا ہی عجب پاک ذات ہی

نالے بھی حسرتیں بھی ہیں سینہ میں دل نہیں
دولھا کے ہی بغیر یہ کیسی برات ہی

رندو کرے جو واعظِ نافہم ہجو مے
چپکے رہو اسی میں تمھاری نجات ہی

وہ اور شب کے آنے کا اقرار کیوں دلا
ای بے خرد یقین سمجھ لے کہ گھات ہی

ای دل جلے جو عود تو دیتا ہی بوئے خوش
نسبت ہی کون تجھ سے وہ پھر بھی نبات ہی

کافر تری نگاہ سے مجھے تو مٹا چکی
باری رقیب کی ہی ادھر التفات ہی

آفت کا سامنا ہی جدھر پھیرتا ہوں رخ
جب سب طرح سے شاہ پہ شہہ ہو تو مات ہی

آتی ہی روز مسجد و میخانہ سے صدا
الحمد اِس طرف تو اُدھر الصلوات ہی

سرگوشیاں ہیں بلبل و گل میں جو دیر سے
ای باغباں کوئی تو چھپانے کی بات ہی

جن کو نہیں ہی علم معانی پہ دسترس

ارشاد اُن کی نظم غیاث اللغات ہو

۱ یوں ہی راتوں کو تڑپیں گے یونہی جان اپنی کھوئیں گے
تری مرضی نہیں اے دردِ دل اچھا نہ سوئیں گے

جسے مدنظر مرنا ہو ناصح سے وہ کیا اُلجھے
ابھی مَیں رُو رہا ہوں بعد کو حضرت بھی روئیں گے

اکڑ لے اے شبِ غم چند دن اپنے ستانے پر
یوں ہی دیکھے گی تو اور سونے والے خوب سوئیں گے

بُرا ہو اے ہجوم بیخودی مہماں کو دُکھ دینا
تجھی کو ناگوارا ہو تو خیر اب سے نہ روئیں گے

ابھی خاموش ہیں واعظ ذرا فصلِ بہار آلے
یہی حضرت مرے رستے میں کیا کانٹے نہ بوئیں گے

فلک اللہ اکبر کس غضب کی لَو ہ لیتا ہے
کھڑے کر لے گا کان اپنے اگر چلّا کے روئیں گے

یونہی منہ دیکھ کر رہ جائیں گے حسرت سے اک اک کا
اُنھیں کیا نفع اے باران رحمت جو نہ بوئیں گے

وفاداروں کا خوں اُس وقت رنگ اپنا دکھا دیگا
وہ مقتل میں خفا ہو ہو کے جب تلوار دھوئیں گے

مری آہوں کی شورش خود مجھی کو لے مری آخر
چلو جھگڑا چکا اب وہ بڑی راحت سے سوئیں گے

یہی جب ہے کہ بوتے کچھ ہیں اور ہوتا ہے کچھ حاصل
تو گیہوں کے عوض جو بوئیں گے گیہوں نہ بوئیں گے

سر آنکھوں پر ہمارے جھڑکیاں ناصح سے مشفق کی
لگی ہے شاد جب دل میں تو ہم کیونکر نہ روئیں گے

پانی ہوئے کہ خاک ہوئے یا ہوا ہوئے
ای دل ابھی جو بول رہے تھے وہ کیا ہوئے

اک دن وہ تھا کہ ہم میں اور اُن میں دوئی نہ تھی
اور اک زمانہ یہ ہے کہ ہم وہ جدا ہوئے

نا پائدار ہم سفروں کی ہے دوستی
منزل رہی قریب تو نا آشنا ہوئے

ای دل یہی تو تیرے سمجھنے کی بات ہے
پھر کون باوفا ہے جو وہ بے وفا ہوئے

کچھ بھی نہ پائیں یہ بھی تو پانے میں ہے شمار
محروم تیرے در سے نہ تیرے گدا ہوئے

ملتے ہی جام ہو گئے عقدے دلوں کے وا
ساقی کے پاک ہاتھ بھی مشکل کشا ہوئے

چلتے ہیں اب اسی کے سہارے یہ ہم ضعیف
پیری میں نالہ ہائے شب غم عصا ہوئے

مطلب بھی تھا انھیں کا دعا بھی انھیں کی تھی
شرمندہ مفت بیچ میں دست دعا ہوئے

بات اُن کی اُن کی سرکشیوں نے بگاڑ دی
بُت بھی خدا ہی تھے یہ خدا سے جدا ہوئے

ای شاد لفظ تک نہیں ملتے زبان کو
مطلب تو تھے بہت پہ نہ ہم سے ادا ہوئے

غیر کی یاد مجھے نزع میں گر آئے گی — یہ بھی اے طرۂ گیسو ترے سر آئیگی

بد کہا شیخ نے غصہ میں بتوں کو ناحق — یہ بھی کم بخت نہ سمجھا کہ کدھر آئیگی

اے صبا رہ گزرِ باغ میں ہے اپنا قفس — اُڑتی پُڑتی ہوئی کچھ بھی تو خبر آئیگی

مطمئن طالبِ دیدار کس اُمید پہ ہیں — کیا وہ تصویر اِن آنکھوں سے نظر آئیگی

ہم تو کیا لاکھوں ہی اُس زلف میں پھنس جائیں گے — لہر کھاتی ہوئی جب تا بہ کمر آئیگی

خم نہ دکھلا کہ یہ بیہودہ طبیعت میری — ساقیا ٹوٹ کے آئیگی جدھر آئیگی

تلملاتی ہوئی جانے کو گئی ہے مری آہ — یہ بھی آخر عرق شرم میں تر آئیگی

جلوہ گر بعد کو ہوگا رُخِ نورانی عشق — پہلے اک شکل بھیانک سی نظر آئیگی

کینہ ور زور نہ مری آہ کو تھوڑا سمجھ — دل سے جس وقت چلی دل میں اُتر آئیگی

زخم ابھی تیر نظر کا نہو چنداں ظاہر — چار دن بعد یہی چوٹ اُبھر آئیگی

شیخ آتی نہیں یاں تیری مذمت لب پر — اور جو آئیگی تو بے خوف و خطر آئیگی

اے فلک تو تو نجومی ہے بتا اس کا جواب — کیا کسی روز خوشی بھی مرے گھر آئیگی

شاد جانے کا طبیعت کے گلہ ناحق ہے
خیر بگڑی ہوئی تھی کچھ تو سنور آئیگی

سحر سے آہ بہت مضمحل ہماری ہے — تمام شب ترے دروازہ پہ بیکاری ہے

مسافروں کو جو دیکھا تو سوتا ہی پایا — جنازہ بھی عجب آرام کی سواری ہے

پلا دے ایسی تو ساقی کہ بیخودی آجائے — بلائے جاں ہی کم بخت ہوشیاری ہے

وہ دیتے دکھ مگر اتنا تو دیکھ لینا تھا — کہ ناتواں ہے یہ مزدور بوجھ بھاری ہے
تڑپ کے چار پہر دن فراق کا کاٹا — رہی جو چار پہر رات اشکباری ہے
سمجھ رہا ہوں کہ ہر سانس ہے اخیر کی سانس — یہ کون جینے میں جینا ہے دم شماری ہے
پلائے دے دیکے قسمیں کوئی تو کیا الزام — شراب مانگ کے پینا گناہگاری ہے
ہجوم غم میں بنی آکے سانس پر جس وقت — یقیں ہوا کہ حقیقت میں جان پیاری ہے
کہاں کا ضبط نکلتا ہے منہ سے اب نالہ — فلک یہ چوٹ بچا اب ہماری باری ہے
میں بات توڑ کے ناصح کے منہ پہ سب کہہ دوں — غضب تو یہ ہے کہ منظور پردہ داری ہے
گلو بہار کی مشاطگی ذرا دیکھو — چمن کو تازہ کیا یا دلھن سنواری ہے
کبھی جواب نہ دیگا کلام باطل کا — ازل سے جس کی طبیعت میں بردباری ہے

دوبارہ دیکھ کے ای ارشاد اس میں ضم کردو
اک اور بھی غزل اس طرح میں ہماری ہے

خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے — تڑپ ای دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے
انھیں کہہ دو جنازے پر مرے جو آنے والے تھے — کہ ہم کنج لحد میں جا چکے تلقین ہوتی ہے
اسی منہ کی کہی اس جاں بلب سے کچھ تو کہہ قاصد — کہ ہر آیت کلام اللہ کی یاسین ہوتی ہے
بظاہر مٹ چکا ہے عشق کا آزار لیکن پھر — طبیعت ہر گھڑی رہ رہ کے کیوں غمگین ہوتی ہے
وتیرہ ہے یہی دنیا کا اس سے جی نہ چھوڑ ای دل — برائی پیٹھ پیچھے روبرو تحسین ہوتی ہے
امید وصل قسمت میں تری لکھی تھی محرومی — بتوں کا کیوں گلہ کرتی ہے کیوں بے دین ہوتی ہے

تجھے میں دیکھ کر حسرت زدہ آنکھوں سے روتا ہوں ۔۔۔ پُرانے گھر کی اے پیری اگر تزئین ہوتی ہے
جہاں اے اشک خوں حرماں نصیبی اپنی لکھتا ہوں ۔۔۔ وہاں اُتنی جگہ مکتوب مین رنگین ہوتی ہے
خوشا اقوال اہلِ معرفت جن کے کلاموں کی ۔۔۔ کہیں تاویل ہوتی ہے کہیں تضمین ہوتی ہے
ابد تک قیدِ ہستی یاد کر کے کانپ جاتا ہوں ۔۔۔ غضب دیکھو کہ یہ مدت بھی بے تعیین ہوتی ہے
بہی خواہانِ مے کی میکدہ میں بھیڑ ہو ساقی ۔۔۔ دعاؤں پر مری چاروں طرف آمین ہوتی ہے
دلِ مضطر نہ کھولوں راز کو تیرے کبھی لیکن ۔۔۔ کسی کا نام لینے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

بُرا کہتے ہیں گر تجھ پیر کو اے **شاد** کیا شکوہ
جوانوں کی طبیعت کچھ نہ کچھ رنگین ہوتی ہے

ہم جوانی میں اجل کے ہو رہے ۔۔۔ صبح اُٹھنا تھا سویرے سو رہے
عمر بھر یوں دیکھنے کو دور ہے ۔۔۔ پر ہم اُن کے وہ ہمارے ہو رہے
دل میں لاکھوں حسرتیں لیکر چلے ۔۔۔ آکے اس حسرت سرا میں جو رہے
پی بہ پی دیتا ہے ساقی جام مے ۔۔۔ ہوش آخر تا بہ کے ہمکو رہے
یوں تو تھے مدنظر لاکھوں حسین ۔۔۔ آخر آخر ہم انھیں کے ہو رہے
سچ اگر پوچھو نہ تھے دنیا میں ہم ۔۔۔ چار دن دنیا مین آکر گو رہے
یہ وصیت ہے سنبھالے وہ مجھے ۔۔۔ ہوش تم میں میکشو جس کو رہے
بے وضو ساقی سے پائے گا نہ مے ۔۔۔ کہہ دو میکش اپنے مُنہ کو دھو رہے

آچکے ہیں **شاد** کے پیری کے دن

اب تو یہ ظالم کسی کا ہو رہے

اچھا ہو دمِ نزع جو بیہوش رہیں گے — تجھ سے جو گلے ہیں وہ فراموش رہیں گے
پھل اپنی تمنا میں نہ آئے یہی بہتر — اس باغ میں ہر طرح سبکدوش رہیں گے
نالوں سے نہ جی چھوڑیو ای بلبل ناکام — کیا حشر تلک پھول گراں گوش رہیں گے
یہ دور غنیمت ہو بھرا ای شیشۂ و ساغر — اک روز نہ مے اور نہ مے نوش رہیں گے
قاتل ترے کوچہ میں کسی اور کو کیا دخل — ہر پھر کے یہی چند کفن پوش رہیں گے
ہرگز نہ ٹلیں گے کبھی اس کوچہ سے اغیار — جب تک وہ عطا پاش و خطا پوش رہیں گے
مستوں کے بڑھاپے پہ نہ جا زاہد نافہم — تا حشر جئیں گے تو یہی جوش رہیں گے

ای شاد یہی جام جو آخر میں پلا ہو
تا حشر اسی جام سے مدہوش رہیں گے

عاشق ہزار عرض کرے التجا کرے — وہ آنکھ بھی اٹھا کے نہ دیکھیں تو کیا کرے
تو کیوں بلاکشان محبت سے منہ پھرائے — مانا فلک بھی درپئے ایذا ہوا کرے
ناحق جواب شکوۂ ابنائے روزگار — سننے کو حق نے کان دئے ہیں سنا کرے
بے مژدۂ وصال نہ چونکیں ترے شہید — سو بار اگر فرشتۂ رحمت ندا کرے
گزرا میں آرزو سے غنیمت ہو مجکو یاس — جو آپ چاہتے ہیں وہی ہو خدا کرے
اُس کے لئے تو ہاتھ اُٹھانا بھی منع ہو — جس کی دعا ہوں آپ وہ کس سے دعا کرے
واعظ یہ تیرے حلت و حرمت کے مسئلے — سُن لے جو مے فروش تو پہروں ہنسا کرے

اے **شاد** وصل و ہجر میں جس کا ہو ایک حال
اللہ اس طرح کا تمھیں دل عطا کرے

نہ دوست اور نہ کسی کا کوئی عدو نکلے ۔۔۔ اگر یہ نقش مٹا دیں تو تو ہی تو نکلے
وہ ہاتھ عقدہ کشا گر نہوں تو اے شانے ۔۔۔ نہ گتھیوں سے کبھی گیسوؤں کی تو نکلے
ہر ایک ذرہ ہے شاہد مری شہادت کا ۔۔۔ جہاں کی خاک کریدیں وہیں لہو نکلے
مٹا نہ کوئے مغاں کا خیال حشر تلک ۔۔۔ جو نکلے قبر سے بھی ہم تو قبلہ رو نکلے
عجب نہیں کوئی میخانہ راہ میں مل جائے ۔۔۔ جو نکلے گھر سے تو میخوار باوضو نکلے
یہیں کی خاک میں اے بادہ کش ملائے خاک ۔۔۔ تجھے قسم ہے جو اب میکدہ سے تو نکلے
گلی ہے یار کی یا آنسوؤں کے سوتے ہیں ۔۔۔ کھدے زمین یہاں کی تو آب جو نکلے
ذلیل سب کی نظر میں وہی دکھائی دے ۔۔۔ جو تیرے پیچ سے اے زلف مشکبو نکلے
سمجھ رہا تھا سیہ کار شیخ تو جن کو ۔۔۔ خدا کی شان وہی سب فرشتہ خو نکلے

بتاتے تھے جو بہت خود کو صلح جو اے **شاد**
زیادہ سب سے ریاکار و فتنہ خو نکلے

ترے ہجر میں زندگی جاں گسل ہے ۔۔۔ یہی پھول سا دل کلیجہ پہ سل ہے
توقف کر جام بھرنے میں ساقی ۔۔۔ کہ پیمانۂ عمر پیماں گسل ہے
حسینوں میں یہ دلبری شان تیری ۔۔۔ یہی استخواں ہے یہی آب و گل ہے
جو ہیں اہل دل وہ کہیں حال دل کا ۔۔۔ یہاں مدتوں سے جگر ہے نہ دل ہے

شبِ غم میں دشوار ہی آہ کرنا — کچھ اندر سے دل خود بخود مضمحل ہی

کہو چین سے سوئے بستر پہ اپنے — خوشا وہ بشر جس کا قابو میں دل ہی

نہ دِلوا صبا سیرِ گلشن کی ہمت — یہاں جو اسیروں میں ہی مضمحل ہی

لگائی جو تھی عشق نے روزِ اوّل — وہی آگ اس وقت تک مشتعل ہی

نہ کہہ **شاد** احوال خلوت کا دل کی

جہاں غیر تو غیر خود تو مُخل ہی

فغاں میں درد اثر تجھ میں ای دعا چاہیے — مگر وہی نہیں چاہیں تو کوئی کیا چاہیے

مری طرف سے نہ آنکھیں پھرا خدا کے لئے — عدو کا کیا ہی وہ اپنی سی کچھ کہا چاہیے

کسی کے گھر میں ہو ماتم کسی کے گھر شادی — جو اُن کو مد نظر ہی وہی ہوا چاہیے

نہ آنکھوں ہی میں بصارت نہ راستہ شفاف — لیئے پھرے مجھے جس سمت رہنما چاہیے

رضائے دوست مقدم ہی اپنی خواہش پر — دعائے صبح شب غم مری بلا چاہیے

کسی کا رد نہیں کرتے کوئی سوال کبھی — اگر یہ سن کے تجھی کو ترا گدا چاہیے

بشر کو بے خبری نے کیا حریص ای **شاد**

جو علم ہو تو مقدر سے کیوں سوا چاہیے

اب بھی جو سال بھر یہ چمن میں نہ آئیگی — عقبیٰ میں کیا بہار ہمیں بخشوائیگی

ای آہ تو نہ کھول سکے گی در قبول — مانا کہ جا کے دیر تلک غل مچائیگی

راتیں تو اب ہیں عمر طبیعی کی بھی اخیر — کیوں ای شب فراق کہاں تک ستائیگی

مشق خرام ناز میں یہ سوچ کیا ضرور ۔ پاپوش سے کسی کی اگر جان جائیگی
بیٹھے بٹھائے دل میں جو حسرت کو دو جگہ ۔ کیا آکے آرزو کوئی آفت نہ ڈھائیگی
بچھڑے ہوؤں سے ملنے کی ہر آرزو کماں ۔ کس شوق سے عدم کی طرف روح جائیگی
جب چاہتا ہوں میں نہیں آتی مرے قریب ۔ ڈھونڈھے گی جب تو پھر مجھے دنیا نہ پائیگی
دنیا نے مجکو ڈھال بنایا ہو کیوں فلک ۔ آئیگی جب بلا تو مجھی کو بھڑائیگی

یہ کون زندگی ہو جو مر مر کے ہو بسر
کیوں **شاد** سنکھیا نہ مجھے ہاتھ آئیگی

کیا سمجھ کر پھر دوبارہ **شاد** میخانے گئے ۔ پائی لالچ کی سزا کیوں ہاتھ پھیلانے گئے
حضرت واعظ بدل کر بھیس میخانے گئے ۔ کوئی دھوکے میں نہ آیا خوب پہچانے گئے
دور آخر ہو ترقی کر گئیں بد مستیاں ۔ میں تصدق مجھ پہ ساقی دیکھ پیمانے گئے
بعد مرنے کے ہوا سارا زمانہ معترف ۔ مان لینے کے جو قابل تھے وہی مانے گئے
عاشقوں کے دل کہاں ناصح کی تقریریں کہاں ۔ دیکھنا پتھر سے کن شیشوں کو ٹکرانے گئے
موت نے کیا کیا نہ دی ترغیب آکر بار بار ۔ در سے کن کن مشکلوں سے تیرے دیوانے گئے
آرزوئے جلوۂ دیدار کیا کہنا ترا ۔ اُس کے کوچہ سے نہ اپنے اور نہ بیگانے گئے
ضبط و صبر و بےخودی سے بھی نہ کچھ حاصل ہوا ۔ یہ بھی کوچے اک زمانہ تک بہت چھانے گئے

قیس و لیلیٰ کی حکایت سُن چکے ہو خوب **شاد**
اب نئے قصّے سنو ہم سے وہ افسانے گئے

عوض تدبیر غم کے جان کھونا ہم کو آتا ہی — الگ بیٹھے ہوئے گوشہ میں رونا ہم کو آتا ہی

نہیں آنسو کی لڑیاں گو ہر مضموں کی لڑیاں ہیں — کہو مژگاں سے موتی کا پرونا ہم کو آتا ہی

نکالیں بحر غم سے ڈوبتوں کو یہ کہاں ہمّت — خود اپنے ہاتھ سے اپنا ڈبونا ہم کو آتا ہی

شبِ فرقت میں جاگے جاگنا تھا جس قدر ممکن — نہ لیں کروٹ سحر تک اب یہ سونا ہم کو آتا ہی

نچوڑیں بیٹھ کر پھر خشک کر لیں یہ نہیں آتا — جہاں بیٹھے وہاں دامن بھگونا ہم کو آتا ہی

جُدا ہیں کام سب کے ابر رحمت کشت عالم میں — درو کرنا جو اوروں کو تو بونا ہم کو آتا ہی

کہو ساقی سے میخوار و کہ یہ بھی کام دیکھے — جو مِل آجائے ساغر میں تو دھونا ہم کو آتا ہی

کمال ای **شاد** ہم میں ہی نہ آتا ہی ہنر کوئی
مگر ایک ایک سے شرمندہ ہونا ہم کو آتا ہی

ہماری قبر پہ ہی بھیڑ خوش جمالوں کی — یہ گُل کھلاتی ہی مٹی کمال والوں کی

دلوں پہ کیا ہی یہ ٹھہرو تو عرش پر جائیں — کمند ہاتھ میں ہی لمبے لمبے بالوں کی

کہو یہ ذہن سے عنقا سے لے پر پرواز — مثال ڈھونڈھ کے لانا ہی بے مثالوں کی

و فور رنج سے دم توڑنے لگے آخر — مگر نہ لی خبر اُس نے شکستہ حالوں کی

فرشتے ہاتھوں کو رکھتے ہیں اپنے کانوں پر — فلک پہ دھوم مچی ہی ہمارے نالوں کی

وہ بیٹھیں صدر میں ای **شاد** جو ہیں لائق صدر
صفِ نعال ہی جا ہم سے پائمالوں کی

تا مرگ لو لگی ہوئی کوئے بتاں کی تھی — آخر وہیں پہونچ گئی مٹی جہاں کی تھی

صیاد نے پھنسا لیا جس دن سے دام میں　　پھر باغ کا خیال نہ دھن آشیاں کی تھی
تم اور مدح پیر خرابات العجب　　اے واعظو یہ بات تو میری زباں کی تھی
نرگس کو دیکھ کر یہی ہوتا ہے اب یقیں　　حسرت بھری یہ آنکھ کسی نوجواں کی تھی
پتھر چٹا کے حلق پہ خنجر کو پھیرنا　　جلاد کو پڑی ہوئی ایسی کہاں کی تھی
موت آئی خود بخود شب فرقت کا ذکر کیا　　ٹلتی نہ ٹالنے سے وہ ایسی کہاں کی تھی

دم بھر میں قتل گاہ کو لاشوں سے بھر دیا
اے شاد وہ نگہ نہیں تیغ اصفہاں کی تھی

ہماری روح جہاں سے کشادہ رو نہ گئی　　ذرا سی اس میں جو خو تھی تری وہ خو نہ گئی
اگر نکل کے مری روح قبلہ رو نہ گئی　　تو یوں سمجھ کہ ترے رخ کی یاد چھو نہ گئی
در آئی دل میں طہارت کے ساتھ خواہش وصل　　ادب شناس تھی کعبہ میں بے وضو نہ گئی
پڑا ہے رات سے زلفوں کی لہر میں اے دل　　کہیں پلٹ کے یہ ناگن تو تجکو چھو نہ گئی
ہنسیں گے تو یہ زاہد تجھی پہ سب میخوار　　اگر بہشت میں صورت حرام تو نہ گئی
نرہے بلندی ایوان جلوہ گاہ حبیب　　ٹھٹک کے بیٹھ گئی عقل حیلہ جو نہ گئی
ہزار ہو گئے میلے لباس پھولوں کے　　جو میرزا ئنشی کی تھی بو وہ بو نہ گئی
رگڑ دیا تجھے بے غش طلا زمانہ نے　　یہ خو نمود کی اب بھی تو زرد رو نہ گئی
جہاں کے باغ سے جنت نصیب بھول گئے　　یہی ہے شرط وفا عندلیب تو نہ گئی
بڑا کمال ہے اے روح چلتے چلتے ترا　　کہ اپنے ساتھ یہ دکھ درد لیکے تو نہ گئی

لگے پُرانے شرابی سے مستیاں کرنے — ابھی زباں پہ ہی حالانکہ تاگلو نہ گئی

شکایتیں ہیں عبث شاد دوستوں کو مرے

یہ طرح وہ ہی کہ مشکل تو اس کو چھو نہ گئی

سرکار دل کی ہوش رُبائے زمانہ ہی — وسعت تو کچھ نہیں مگر اک کارخانہ ہی

خالی سمجھ کے پھینک نہ اے موج رائگاں — ہر کیسۂ حباب کے اندر خزانہ ہی

اِن دو سے چھوٹنا نہیں ممکن کسی طرح — آفت ہی عشق حُسن بلائے زمانہ ہی

نکلی جو تن سے روح دکھاتی چلی بہار — جاتی ہی جس طرف نظر آئینہ خانہ ہی

رہرو ہیں دونوں ایک جرس ہو کہ کاروں — آگے کوئی رواں کوئی پیچھے روانہ ہی

قشقہ کریں جبیں پہ کہ سجدہ کریں مگر — کیا ہو شرف کہ دور ترا آستانہ ہی

اب درد و غم کے سہنے کی طاقت نہیں رہی — دل کے خلاف آب و ہوائے زمانہ ہی

آنکھیں ہوں دونوں کور جو دیکھا بھی ہو تجھے — تجھ سے خلوص دل کو مرے غائبانہ ہی

پیری میں ہی فلک قدر انداز کس قدر — کوسوں سے جس کو تاک لیا وہ نشانہ ہی

آنکھیں شب فراق میں کیوں ہو چلی ہیں بند — آتی ہی نیند موت کا شاید بہانہ ہی

نام و نمود پر نہیں مرتے ترے شہید — چادر ہی قبر پر نہ کوئی شامیانہ ہی

اُلجھاؤ گیسوؤں کا الٰہی کہیں مٹے — وہ دست نازنیں بھی مددگار شانہ ہی

گر عشق ہی تو یار کے در پر جھکا جبیں — ایماں کے بعد فرض بشر پنجگانہ ہی

اے شاد کھینچ لیتا ہی بے اختیار دل

کیا پوچھنا کلام ترا عارفانہ ہے

لاش پر بھی قسم ہے آنے کی　　چال یوں ہوگئی زمانے کی

چشم بد دور رفتہ گروہ نگاہ　　ٹھیک تصویر ہے زمانے کی

قصۂ غم وہ سن کے رونے لگے　　تھی یہ ترکیب دل بڑھانے کی

کچھ تو نالوں کی بھی سُن اے زنجیر　　تجکو عادت ہے غل مچانے کی

یوں نہ ویران کرکے جا ظالم　　کچھ تو کر شرم دل میں آنے کی

اُن اداؤں نے کیا کیا جو یہ دل　　باتیں کرنے لگا ٹھکانے کی

لاش پر آئے آپ کی پاپوش　　جائے عزّت بھی جان جانے کی

چارسو دیکھتا ہوں حیرت سے　　کچھ نہ پوچھو مرے زمانے کی

اس لئے پالتا ہون جسم اپنا　　خاک ہو تیرے آستانے کی

تم کو گر یاد ہو بتاؤ شاد
ابتدا کیا تھی اس فسانے کی

بے تیرے میں مرجاؤں گا　او آرزو یہ جان لے　　مُنہ موڑ کر مجھ سے نہ جا آ میری جان آمان لے

قاتل ابھی ہے جسم میں باقی جوانی کا لہو　　جائیں گی چھینٹیں دور تک دامن ذرا گردان لے

مانا کہ ہے سفاک تو کافر مگر انصاف کر　　لِلّٰہ دونوں کو نہ لے یا جان یا ایمان لے

خودمی ملکدر ہو اگر پی لے کہ میکش پھینک دے　　یہ مسئلہ باریک ہے ساقی سے پہلے چھان لے

وصل و جُدائی کے مزے اس عشق میں سب ہیں بھلے　　برحق ہے مرنا ہر طرح دل میں یہ پہلے ٹھان لے

وہ **شاد** دیکھا تھا جنھیں پہلے سے اب باقی نہیں

ہم ہارتے ہیں اپنا دل کوئی اگر پہچان لے

زندگی تک ہجر کی حد ہو گئی　　دیدیا صدقہ بلا رد ہو گئی

بیکسی کو بے مرے کیا ہو قرار　　آکے اکثر سوئے مرقد ہو گئی

بے رُخی سے ہم کو گھبرانا نہ تھا　　منع کرنے سے اُلجھیں کد ہو گئی

کیوں ترے دامن سے لپٹی میری خاک　　یہ کدورت اور بھی سد ہو گئی

تیرگی کیا تیرے گیسو کی کہوں　　نیک دشمن کو ہیں بد ہو گئی

میں جہاں ہوں ہجر بھی ہے ساتھ ساتھ　　یہ بلا حرف مشدد ہو گئی

اقربا کہتے ہیں یہ ہم میں نہیں

شاد رسوائی کی بھی حد ہو گئی

یہ شب نگاہ کے گھائل پہ سخت بھاری ہے　　سُنا ہے چارہ گروں سے کہ زخم کاری ہے

نہ دلدہی نہ مروت نہ غم گساری ہے　　یہ اس زمانۂ ناآشنا کی یاری ہے

تعلقات میں جکڑے ہوئے اُٹھیں کیونکر　　علاوہ ضعف کے زنجیر بھی تو بھاری ہے

نہ جمع خاطر مضطر نہ دل کو اطمینان　　یہ کچھ حیات نہیں صرف دم شماری ہے

ہر ایک بل میں ہیں لاکھوں بناؤ وصل علے　　خدا نے زلف ترے رُخ پہ خود سنواری ہے

بہائے اشک بھی کم کم جلے بھی آہستہ　　مثال شمع کے موقع کی اشکباری ہے

ہمارا خط تو لیا اس طرف کا رُخ نہ کیا　　پیامبر پہ نہیں سب کو جان پیاری ہے

ہمارے حال سے غافل نہ ہو جیو شب ہجر　　شب وصال تو ان کی ہے تو ہماری ہے

نہ پوچھئے کہ گزرتی ہے **شاد** کی کیونکر

نہ زہد و فقر نہ رندی و بادہ خواری ہے

شہنا میں دل گداز صدا کس بلا کی ہے　　آواز ہو نہ ہو کسی درد آشنا کی ہے

طاقت شگفتگی کی نہ نشو و نما کی ہے　　خوبی یہ اے چمن تری آب و ہوا کی ہے

میں کیا ہوں اس کا حال فرشتوں سے پوچھئے　　شوخی غضب کی اُن میں ادا انتہا کی ہے

پہونچائے کون ہم سے غریبوں کی التجا　　نالوں کی واں پہونچ نہ رسائی دعا کی ہے

پڑتا ہے ٹھیک پاؤں جو تاریک راہ میں　　اے چشم روشنی یہ کسی نقش پا کی ہے

خود صفحۂ وجود ہے اے **شاد** کالعدم

جس شکل پر نگاہ اُٹھاؤ فنا کی ہے

پیری ہے بلائے ناگہانی　　ڈر کر کہیں چھپ رہی جوانی

معدوم ہے لطف زندگانی　　بس طول حیات امہربانی

سوتا سنسار جاگتا رب　　سچی تھی اسی قدر کہانی

اب ایک کا بھی پتہ نہیں ہے　　چھوڑی تو بہت سی تھی نشانی

بے بال و پری ہوئے نہ افسوس　　مرنے پہ بھی جنت آشیانی

تصویر تری ہے اب بھی دل میں　　اے مجمع دوستان جانی

آنا ہو تو آ کہاں تلک صبر　　اے وجہ بقائے زندگانی

منوا دیا سب کو ہاں یہ مانا تونے مگر ایک بھی نہ مانی
باقی ہو بلائے خاک گشتن بالائے بلائے آسمانی
بے لطف گزر گئی تو افسوس ای لطف فزائے زندگانی
کیا تھا مرے مرنے والے دل میں اک آن فقط تھی وہ بھی آنی
موقوف ہو شاد اُس جہاں پر ای روح لقائے یار جانی

جب سے ہوئے شعر فہم رخصت
موقوف ہو شاد شعر خوانی

کہیں گرفت نہ میری زبان کی ہوتی بڑا مزا تھا یہی شو اگر نہ دی ہوتی
بہانہ کیوں کریں ہوتا جو دل ٹھکانے سے تو بادہ نوشی بھی زاہد کبھی کبھی ہوتی
بڑھی ہوئی ہیں حریفوں کی مستیاں ساقی انھیں تو ظرف سے بڑھکر کبھی نہ دی ہوتی
لبوں پہ آگیا دم نام سن کے فرقت کا خدانہ کردہ حقیقت میں گر رہی ہوتی
فلک پہ آہ کا اور برق کا جو ہوتا ساتھ تو راہ ہی میں مقرر جلی کٹی ہوتی

اُنھیں بھی آج بہ اصرار مے پلاتے شاد
جو آتے بزم میں زاہد تو دل لگی ہوتی

ہزار مژدہ تازہ صبا سناتی ہو مگر اُمید پلٹ کر بھلا کب آتی ہو
وہ فاتحہ کو چلے ہیں اجل کے مارو سے کہو پکار کے خوش ہو قیامت آتی ہو
میں تیری یاد سے خوش ہوں کہ پاسباں بن کر سحر تک آکے سرِ شام سے جگاتی ہو

جو تجکو دھن ہو وہ ای بکیسی بتا دوں ہیں — میں بے خبر تو نہیں کیوں مجھے ستاتی ہو

دو رنگیاں تری چشم اُمید کیا کہئے — کبھی تو خشک ہو دریا کبھی بہاتی ہو

جہاں میں کون ہو ای روح تیرے رتبہ کا — اجل سی شی ترے لینے کو دوڑی آتی ہو

بتائیے مرے خرمن نے کیا بگاڑا ہو — فلک پہ برق جو رہ رہ کے تلملاتی ہو

وہ ہم سے روٹھ گئے ہیں تو خوف کیا ای شاد

بڑے بڑوں کو مری عاجزی جُھکاتی ہو

لبوں پہ دم ہو تڑپتے ہیں دردمند ترے — وہ کوئی اور نہیں عاشقانِ چند ترے

نظر بچا کے ہمیں دی اخیر کی ساقی — اسی ادا پہ تو مرتے ہیں حق پسند ترے

ہوئے ہیں بار عبث تجھ پہ ای نہال چمن — خزاں کے آتے ہی اُڑ جائینگے پرند ترے

کمند پھینک کے جا قصر یار پر ای شوق — وہیں ملیں گے تجھے نالہ بلند ترے

فراق تک ہو فقط ترک مرُسن ای واعظ — ہمیشہ ہوں گے یہ فقرے نہ سود مند ترے

کریں نہ پیر مغاں میکدہ ترا بدنام — عجب قماش کے ہیں سفلہ ہائے چند ترے

تری جناب میں واعظ کی شوخیاں ساقی — کمال غیظ ہو برہم ہیں حق پسند ترے

کہیں نہ جائیں گے تا حشر تیرے کوچہ سے — کہ پاؤں توڑ کے بیٹھے ہیں پائے بند ترے

خود اپنے ہاتھ سے کیا اشک تو نہ پونچھے گا — گرہ دلوں کی نہ کھولیں گے دست بند ترے

وہ اعتدال ہو دل کو جو تو اُنڈیل بھی دے — سوا پئیں گے نہ ساقی نیاز مند ترے

کہاں وہ قصر رفیع اور تو کہاں ای شاد

خدا ہی خیر کرے قصد ہیں بلند ترے

کرو وہ کام جو ہیں کام کر گزرنے کے — سمجھ لو شاد کہ دن آ چکے ہیں مرنے کے

اُلجھ اُلجھ کے جو شانہ ہزار سر مارے — کسی طرح ترے گیسو نہیں سنورنے کے

یہ بحرِ عشق محبت ہے اس کی تھاہ کہاں — جو اس میں ڈوب گئے پھر نہیں اُبھرنے کے

بغیر یار پئیں مے جو ہم تو اچھا ہو — کبھی وہ گھونٹ نہیں حلق سے اُترنے کے

مجھی پہ ختم ہے اے دوست خدمتِ احباب — رقیب سے ترے گیسو نہیں سنورنے کے

کسی کی تیغ نگہ سے نہ جی چُرا ﷲ — یہی تو دن ہیں جوانی ہمارے مرنے کے

جنابِ شیخ کی تقریر اے معاذ اللہ — حذر کرو بخدا آدمی ہیں ڈرنے کے

مجھے تو تیغ نگہ سے ہے اپنی موت پسند — جہاں میں یوں تو ہیں لاکھوں طریق مرنے کے

نظر ہے صبحِ تمنا پہ جن کی اے شبِ غم — کسی طرح نہیں تجھ بد بلا سے ڈرنے کے

خیالِ زلف میں اللہ رے پریشانی — وہی اُلجھ گئے جو کام تھے سنورنے کے

تم آپ اُنڈیل لو اے شاد اپنے ہاتھوں سے
یہ مغبچے نہیں جام شراب بھرنے کے

برسوں سے خو گرفتۂ فرقت مزاج ہے — پہلے تو اک مرض تھا مگر اب علاج ہے

بلبل کا ذکر کیا ہے کچھ اپنی کہو گلو — اُس کا جو رنگ کل تھا خزاں میں وہ آج ہے

پیغام بھیجتا ہے نہ لکھتا ہے خط کوئی — یہ بھی عجب طرح کا عدم میں رواج ہے

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول — اُس پر کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

ہر ذی کمال ملک کا اپنے ہی بادشاہ — مل جاتی ہی جو داد یہی اُن کا باج ہی
فرصت کہاں یہ دل کو کہ یک سو رکھے مزاج — کم بخت کے سپرد بہت کام کاج ہی
جاتا ہی سوئے کعبۂ دل غم کا قافلہ — امید کی ذرا سی جھلک میرِ حاج ہی

آزاد ہم نہ سمجھیں گے اُس وقت تک تمھیں
جس وقت تک کہ **شاد** کوئی احتیاج ہی

ہم رند بے پیے ہوئے ایسے بہک گئے — ساقی بھرے ہوئے کئی ساغر چھلک گئے
کل شب کو اُن رخوں سے جو گیسو سرک گئے — ساتوں طبق نگاہ کے اندر چمک گئے
نرگس پہ منحصر نہیں اس باغ دہر میں — مشتاق کتنے پھول تری راہ تک گئے
ہم سے ہوا شباب کا بھی مرحلہ نہ طی — اس راہ میں قدم کے بڑھاتے ہی تھک گئے
ناصح کا اور حضرت واعظ کا ذکر کیا — اپنی سی یہ عزیز وہ اپنی سی بک گئے
پھولوں کے پیرہن یہ اچنبھا سا کیوں نہو — بے عطر کے ملے ہوئے کیونکر مہک گئے
آئینہ ہی جہاں میں تری پاک دامنی — اُس پر بھی عاشقوں کے دلوں کے نہ شک گئے
ای نخل باغ تیری اسی خشک شاخ پر — لاکھوں ہی آئے نغمہ سرا اور چہک گئے
قائم رہے جہاں میں حسینوں کا دم قدم — پھولے جو پھول دشت و بیاباں لہک گئے

ای **شاد** ہم تو رند تھے ہم اپنی کیا کہیں
واعظ تو بے پیے ہوئے شب کو بہک گئے

مشتاق کب سے ہم ہیں فقط ایک جام کے — قربان اپنے ساقی مہوش کے نام کے

خنجر سے ہاتھ کم نہیں ای محتسب ترا	یہ پارہ ہائے دل ہیں کہ ٹکڑے ہیں جام کے
دل کیا جگر بھی پڑھتا ہو کلمہ اُنھیں کا اب	یہ دور رفیق بھی نہ رہے اپنے کام کے
زاہد کو دیکھو اک غمِ فردا سے ہے یہ تنگ	یاں روز دن گزرتے ہیں وعدوں پہ شام کے
پیرو بنا دیا ہمیں فرہاد و قیس کا	قربان اپنے عشق علیہ السلام کے
زاہد تری کتاب میں حرمت ہو جس کی وجہ	ہم پینے والے ہیں اُسی آب حرام کے
ای مجھ سے پا شکستہ کے خضر ای ہجوم شوق	منزل تلک تو چل مرے بازو کو تھام کے
کیا جانیں پھنستے جائیں گے آ آ کے کتنے دل	حلقے ہیں تہہ بہ تہہ تری زلفوں کے دام کے
یہ لن ترانیاں ہیں چُھری دل کے واسطے	کان آشنا نہ تھے کبھی ایسے کلام کے
جب تک کہ پی کے مست نہ ہو لے سند نہیں	پڑھنا نماز جمعہ کا پیچھے امام کے
آئی شب فراق بڑھے یاس و درد و غم	اب صبح تک ٹلیں گے نہ مہمان شام کے
ہاتھوں میں اُن کے دولتِ قارون بھی ہو تو کیا	عادی جو میکدہ میں بنے قرض و دام کے
کچھ غم نکر جہاں کے نشیب و فراز کا	رکھ یہاں سنبھل کے پاؤں کہ زینے ہیں بام کے

تب لطف ہو کہ غم کے عوض اب خوشی کریں
ای ہجر یار شاد بھی ہیں اپنے نام کے

ستم سے اُن کی غرض کیا ہو کوئی کیا جانے	خدا کی بات کا مطلب وہی خدا جانے
کہے سے یار کے زلفوں کو اب تو سلجھایا	جو کچھ کہ شانے پہ گزری مری بلا جانے
دیا بھی دل کو خدا نے تو اس طرح کا شوق	نہ آئے جس کو بجھانا فقط لگا جانے

بہت کہا کہ نہ تسمہ لگا رکھ او قاتل — غرض کہاں تلک آگے تری حیا جانے

عجب نہیں کہ رسائی تری بھی ہوای آہ — درِ قبول تلک اب لگی دعا جانے

میں پیر ہوں مری لغزش پہ کچھ تو رحم کرے — پکڑ لے ہاتھ عدم کا جو راستا جانے

خفا نہو جو کوئی ملتفت نہو ای شاد

جو تیرے دل پہ گزرتی ہو غیر کیا جانے

زباں پہ آہ کے ساتھ اُس کا نام آتا ہو — یہ درد کیا شبِ فرقت میں کام آتا ہو

جلو میں پیر مغاں اہتمام میں ساقی — یہ آمد آمدِ جم ہو کہ جام آتا ہو

اب ارتباط فقط رہ گیا ہو یہ اُن کا — کہ خط میں غیر کے لکھ کر سلام آتا ہو

ملے جو دل تو یہ کہنا کہ اپنی منزل پر — سحر کا بھولا ہوا وقت شام آتا ہو

کیا یہ کام در اندازیوں نے غیروں کی — وہاں سے خط نہ زبانی پیام آتا ہو

بصدق پیر مغاں کو دعائیں دے ای شاد

وہ دیکھ جام علیہ السّلام آتا ہو

خلش بھی مے سے جو زاہد کو آج تک نہ گئی — کہا تھا جس سے بُرا وہ زبان تھک نہ گئی

ہزار صاعقۂ طور نے جمایا رنگ — سما گئی تھی جو آنکھوں میں وہ چمک نہ گئی

کہانیاں فقط اس آہ کی سُنے جاؤ — بڑی رسا تھی شبِ غم میں تا فلک نہ گئی؟

کہاں اُن آنکھوں کی یاد اور وہ بھی پیتے وقت — تعجب اس پہ ہوا ای مے کہ تو سرک نہ گئی

رکھے اُمید نے زخمِ جگر پہ گو مرہم — وہ بار بار کی ٹیس اور وہ ٹپک نہ گئی

کیا مقابلہ ای گل اُس آتشیں رو کا ہری بھری ہوئی کھیتی تری لہک نہ گئی
یہ اپنے ظرف کی خوبی سمجھ لو ای مستو بھرا تو خوب تھا ساغر کو مو چھلک نہ گئی
ہنسی گلوں کی فغاں بلبلوں کی ای نرگس خود اپنی آنکھ سے دیکھی یہ تو بلک نہ گئی

ابھی سُلگتی ہی بعد اس کے دیکھ لینا **شاد**
یہ آگ خود بخود اک دِن اگر سلگ نہ گئی

رہا کیا ہی دلِ ویراں میں اک ارمان خالی ہی جدھر کو دیکھئے کوسوں تلک میدان خالی ہی
ترے ملنے کی خواہش مقتضائے آدمیت ہی وہ انساں کب ہی اس حسرت سے جو انسان خالی ہی
گئی لیتی ہوئی درد و مصیبت روح ساتھ اپنے تنِ ویراں میں بس اک آپکا احسان خالی ہی
بغل میں چھوڑ کر حسرت کو دل نے راہ لی اپنی سدھارا گھر سے باہر میزبان مہمان خالی ہی
مری آنکھوں کے موتی لے گیا رونا شبِ غم کا متاعِ بے بہا سب بک گئی دوکان خالی ہی
اگر ہم خاک بھی ہوں گے تو خاک اپنی پکاریگی یہ گھر مدت سے اک تیرے بغیر ای جان خالی ہی

بسر کرتے ہیں ہمت سے فقط ای **شاد** ہم اپنی
جوانی لے گئی سب زور تن کا آن خالی ہی

ضمیمہ

دل تو بدنام ہے خود شاد عبث اس کا گلہ۔ کہتے آتی ہے حیا
یہ امیدیں یہ تمنا جنھیں برسوں پالا۔ یہ کب اپنی ہیں بھلا

وہ تری کج روشی کج کلہی کینہ وری۔ دلبری عشوہ گری
کون غش کھا کے سرِ راہ گرا کون موا۔ پھر کے دیکھا نہ ذرا

بان مارا تری آنکھوں نے جو کی پھر کے نگاہ۔ نہ ملی دل کو پناہ
یار کیا قہر ہے چلتا ہوا جادو تیرا۔ لاکھ روکا نہ رُکا

رُت پھری ساری ہری ڈالوں میں پھوٹی کوپل۔ آ گئے پھول ہیں پھل
اک یہ اُجڑا ہوا دل ہے کہ نہ پھولا نہ پھلا۔ اور سوکھا ہی گیا

کالی کالی وہ گھٹائیں وہ پپیہوں کی پکار۔ دھیمی دھیمی وہ پھوار
اب کے ساون بھی ہمارا یوہیں رونے میں کٹا۔ کیا کہیں چُپکے سوا

بوسہ لینے کا مری خاک کو بھی ہے ارماں۔ تاب اُٹھنے کی کہاں
جامہ زیبی کا بھلا اے صنم تنگ قبا۔ کچھ تو دامن کو جھکا

فتنہ خو، آفتِ جاں ہمتگ دل آشوب جہاں۔ دشمنِ امن و اماں
سرورِ کج کلہاں خسروِ اقلیم جفا۔ بانی مکر و دغا

رس بھری ہائے وہ آنکھیں تری کالی کالی۔ بے پیئے متوالی

سانولا رنگ۔ نمک ریز جراحات جفا۔ اُف کہاں دھیان گیا

دیکھنا تیرا کن انکھیوں سے ہو آڑی برچھی۔ یار اس کی نہ سہی

کب کو گنتی میں ہو وہ گھاؤ جو اوچھا سا لگا۔ پھر کے پھر دیکھ ذرا

آنکھیں روئی ہوئی آواز ہو بھرّائی ہوئی۔ باتیں شرمائی ہوئی

اس سے تو اور کسی بھید کا ملتا ہو پتا ۔ شاد قسمیں تو نہ کھا

۴

تڑپ کے رو کے بہرحال دن تمام ہوا — پھر آج رات کا سونا مجھے حرام ہوا

نہ دل لگا نہ کوئی حسب خواہ کام ہوا — اُمید و بیم میں قصہ مرا تمام ہوا

الف سے بے بھی کہیں گے نہ ہم قیامت میں — اگر وہاں بھی یونہی مجمع عوام ہوا

مسافرانِ رہ دوست خود نہیں واقف — کہاں سے کوچ کیا تھا کہاں مقام ہوا

لگائے لیتا ہو مطلب ہر ایک اپنا سا — مرا کلام بھی گویا ترا کلام ہوا

نہ پوچھ شانہ و گیسو کا ماجرا مجھ سے — کسی کی آئیں مرادیں کسی کا نام ہوا

مسافران عدم اب تلک پہونچ جاتے — میان راہ عبث چند دن مقام ہوا

تری زباں بھی اُسی کی زبان ہو قاصد — خدا کی شان کہ وہ ہم سے ہم کلام ہوا

ہوئی نماز ادا میکدہ میں یوں ساقی — کہ مقتدی ترے میخوار تو امام ہوا

شب فراق میں اے داغ دل یہ کہتا ہو — جلا چراغ کہ رات آئی دن تمام ہوا

وہ پیالہ بھر کے عنایت کرے کہ خالی دے — اُسی کے ہاتھ ہو مینا ہوا کہ جام ہوا

جو تو بھی ہو گیا قاضی کا ہم زباں ساقی — یقین جان کہ جینا مجھے حرام ہوا

چلی جو روح تو یوں جسم سے کہا مڑکر　　کہ حسب خواہ نہ مہماں کا احترام ہوا

کوئی مراد تو بر آئے گی غریبوں کی　　اسی امید میں دن آج کا بھی شام ہوا

عدم میں یاد کروں گا ترا کرم ساقی　　کہ عمر ختم ہوئی اور تہی نہ جام ہوا

ملی نہ **شاد** کو افسوس کوئی نعمت خاص

بس انتہا ہے کہ مرنا تلک بھی عام ہوا

کچھ تعجب نہیں آنکھوں نے اگر مان لیا　　دل نے دیکھا نہیں اس پہ تجھے پہچان لیا

درد دیتا ہے جو ساقی تو تردد کیا ہے　　جام پر دامنِ تر رکھ کے ذرا چھان لیا

خوں کی چھینٹیں جو اڑیں حلق بریدہ سے مرے　　اس نے دامن کو عجب ناز سے گردان لیا

زہر کیا چیز ہے اک تلخ دوا ہے ناصح　　میں نے جس بات کو اب ٹھان لیا ٹھان لیا

مَیں فدا لغزشِ رفتار پہ اپنی اے **شاد**

دور سے دیکھ کے اس نے مجھے پہچان لیا

قدم اٹھا کے مرا تلملا کے رہ جانا　　جھکا کے سر کو ترا مسکرا کے رہ جانا

الجھ نہ ہم سے تو قاصد کو ہم نے کیا اے دل　　سکھا دیا تھا کہ جانا وہاں تو رہ جانا

شہید ناز کی بھولی نہیں ہمیں صورت　　تری طرف کو نگاہیں پھرا کے رہ جانا

وہ بزم غیر میں ہر بار اضطراب مرا　　بہ مصلحت وہ ترا سر جھکا کے رہ جانا

نگاہ ناز سے ساقی کا دیکھنا مجھکو　　پھر اپنے ہاتھ میں ساغر اٹھا کے رہ جانا

اگر تھا نشہ تو گرنا تھا پائے خم پہ مجھے　　مجھے پسند نہیں لڑکھڑا کے رہ جانا

کسی طرح تو یہ جسم کثیف پاک ہو شاد

گلی میں یار کی جانا تو جاکے رہ جانا

دل اُس گلی میں جاکے نہ یوں بے سبب رہا
ذرّے کی کیا بساط کہیں جاکے دب رہا

گستاخ تھا پہونچ گیا پروانہ شمع تک
یاں تا بہ حشر جان کا دشمن ادب رہا

ساقی شبِ نشاط کو اب سے مرا سلام
دن بھر خمار محفل عیش و طرب رہا

طوفاں کا ظلم ایک طرف موج ایک سمت
جس وقت تک حباب رہا جاں بلب رہا

دی کس غضب کی تو نے صبوحی کہ ساقیا
اک صبح سے خمار مجھے تا بہ شب رہا

زاہد سے جب سُنو تو زباں پہ ہے ذکر حور
نیت ہوئی خراب تو ایمان کب رہا

ساقی کے فیض جام پہ تکیہ رہا اُسے
سب کچھ کہا اسی نے جو یاں بستہ لب رہا

جانے دو ذکر شاد کی باتوں سے کام کیا
دنیا کی آرزو میں یہ دنیا طلب رہا

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا
دریا سے یہ موتی نکلا تھا دریا ہی میں جاکر ڈوب گیا

پیری میں جوانی کا قصہ کس مُنہ سے کہوں شرم آتی ہے
وہ جوش گیا وہ آن گئی انداز گیا اسلوب گیا

لاریب خموشی نے تیری تاثیر دکھا دی مستوں کو
بے باک جو میکش تھا ساقی اس بزم سے وہ محجوب گیا

بے راحلہ و بے زادِ سفر رحمت پہ بھروسا کر کے فقط

دنیا کی سرا سے جو اُٹھ کر اس طرح گیا وہ خوب گیا

طاقت جو نہیں اب حیرت سے تصویر کا عالم رہتا ہے
وہ آخر شب کی آہ گئی وہ نعرۂ یا محبوب گیا

حیرت ہے تمھیں اے جوہریو کیوں بیش بہا جوہر پہ مرے
نایاب یہ موتی تب نکلے اس بحر میں جب میں ڈوب گیا

کوچہ میں ترے اب شاد نہیں اللہ نے کر دی پاک زمیں
صد شکر سرائے فانی سے آخر وہ سگ محبوب گیا

سراپا سوز ہے اے دل سراپا نور ہو جانا | اگر جلنا تو جل کر جلوہ گاہ طور ہو جانا
ستم ہے آدمی کے واسطے مجبور ہو جانا | زمیں کا سخت ہو جانا فلک کا دور ہو جانا
مرے زخموں نے دل کے دل لگی اچھی نکالی ہے | چھپائے سے تو چھپ جانا مگر ناسور ہو جانا
خیال وصل کو اب آرزو جھولے جھلاتی ہے | قریب آنا دل مایوس کے پھر دور ہو جانا
ہوئی مدت کہ بوئے گل کے سونگھے کو ترستے ہیں | ادھر سے اے نسیم صبح تا مقدور ہو جانا
شب وصل اپنی ہی آنکھوں سے یہ اندھیر دیکھا ہے | نقاب اُن کا اُلٹنا رات کا کافور ہو جانا
سبو ساقی کا خم ساقی کا میکش کون ہے رند | ستم ہے دوسرے کے مال پر مغرور ہو جانا
نہ دے الزام بدمستی کا اک اُفتاد تھی ساقی | مرا گرنا بھرے ساغر کا چھلکنا چور ہو جانا
خدا بخشے دکھا کر اک جھلک یوں ہی سی آنکھوں کو | قیامت ہے جوانی کا مری کافور ہو جانا
جو سچ پوچھو تو شاد اپنے کئے کچھ بھی نہیں ہوتا | خدا کی دین ہے انسان کا مشہور ہو جانا

۸ چلتی ہی دبے پاؤں ادب کوش ہوئی دھوپ — سایہ ترا دیکھا کہ جو خاموش ہوئی دھوپ

آئی شبِ غم عقل فراموش ہوئی دھوپ — سایہ کہیں بھاگا کہیں روپوش ہوئی دھوپ

سبزہ کی طرف دیکھ تو ای روزِ جدائی — بس حد کی یہ تابش ہی کہ خس پوش ہوئی دھوپ

لہرا یہی دکھانے لگا سیماب کا دریا — بے تابیِ دل آج وہ پر جوش ہوئی دھوپ

ہاتھ ہیں کسی میکشِ مغفور کے ساقی — ابر اس کو نہ کہہ بلکہ سیہ پوش ہوئی دھوپ

غافل کہیں ایسے میں دبے پاؤں سرک جا — سایہ سے کہو مجلس خاموش ہوئی دھوپ

پردہ جو اٹھا رخ سے بڑھی اور تجلی — شرمندۂ احسان بنا گوش ہوئی دھوپ

یاد آگئے سب روزِ جدائی کے فسانے — جب حشر کے دن ہم سے ہم آغوش ہوئی دھوپ

حیراں ہوں کہ شایق تھی کس آواز کی ای شنوا — کچھ تم یہ کھلا کیوں ہمہ تن گوش ہوئی دھوپ

۹ رشکِ ریاضِ خلد ہیں رنگیں عذار دوست — آنکھیں کہاں سے لاؤں جو دیکھوں بہار دوست

کیوں کر کروں نہ اس دلِ بسمل کی قدر میں — یاد آرہا ہی خندۂ بے اختیار دوست

سرمہ نے سحر اور بھی تیرا بڑھا دیا — ای دل فریب نرگسِ دنبالہ دار دوست

شب ہاے ہجر میں بھی دل اپنا ہی باغ باغ — قربانِ ذکرِ طرۂ عنبر نثار دوست

کیوں کر بھلا نہ وعدۂ فردا پہ ہو یقیں — کافر وہ دل ہی جس کو نہ ہو اعتبار دوست

آنکھیں لگی ہیں در سے تڑپتی ہی تن میں روح — دل کش ہی وصل دوست سے بھی انتظار دوست

دن عمر کے پہاڑ تھے اک دم میں کٹ گئے — اللہ ری تیزی نگہِ جاں شکار دوست

کیوں کر مسافرانِ عدم کی چڑھے نہ سانس — رہ رہ کے کھینچتی ہی ہوا دیارِ دوست

یارب فنا ہو روح مری قبل قتل کے — دیکھوں نہ آنکھ سے نگہِ شرمسار دوست

صہبا کشوں سے ہوش کو ای بزم لے اُڑے — خمیازہ ہائے دلِ کشِ مستانہ وار دوست

احسنت یوں ہی شاد کو برسوں لگائے رکھ — ای اعتبار وعدۂ ناپائدار دوست

کس نے کہا کہ دیدۂ گریاں کا کیا علاج — سب کا علاج ہو شبِ ہجراں کا کیا علاج

بس حد یہ ہو کہ عقل سی نعمت عطا ہوئی — اس پر بھی جب گلہ ہو تو انساں کا کیا علاج

چشمِ سیہ میں سُرمہ دے زلفِ رسا میں شانہ کر — قتلِ جہاں کے واسطے تازہ پھر اک بہانہ کر

بعد کو خونِ دل بہا بیٹھ کے انتظار میں — پہلے تو جانِ بے قرار خط کو اُدھر روانہ کر

کوئے نیازِ عشق میں آجو پڑا نہ ہے نصیب — خاک پہ رکھ جبینِ شوق سجدۂ آستانہ کر

نالہ ہوا ہو منفعل شہرتِ عام سے عبث — کس نے کہا کہ یوں بلند شورشِ عامیانہ کر

اہلِ ہوس بھی ہو گئے آکے حریفِ می کشاں — پیرِ مغاں اُلٹ دے خُم بند شراب خانہ کر

جس پہ ہو آپ محو تو نقش وہ کھینچ ہر طرف — ہاتھ میں کلکِ فکر لے گھر کو نگار خانہ کر

شستگیٔ زباں عبث دل میں بھرے ہیں خار و خس — چھوڑ ابھی برونِ در فکرِ درونِ خانہ کر

باغِ جہاں ہو پُر خطر بلبلِ زار سے کہو — شاخِ بلند و اُستوار دیکھ کے آشیانہ کر

دیکھ کلام شاد کا شعر کا ماحصل سمجھ — جاگ کے کر شبیں بسر فکر کو عارفانہ کر

نہ خوشی سے خوش ہو نہ غم سے خوش نہ مکاں سے خوش نہ مکیں سے خوش

وہ خدا نے ہم کو دیا ہو دل کہ نہ آسماں نہ زمیں سے خوش ۲

اسی سوچ میں ہو پڑا ہوا کہ وجود کے ہیں حدود کیا

مجھے دِل ملا بھی تو وہ ملا کہ یہیں سے خوش نہ وہیں سے خوش

تمھیں شادؔ چاہیے اب یہی نہ پھنسو گمان کے پیچ میں

کہ زمانہ بھر میں ہر ایک ہے فقط اپنے دل کے یقیں سے خوش

میں شادؔ تنہا اِک طرف دنیا کی دنیا اِک طرف — سارا سمندر اِک طرف آنسو کا قطرا اِک طرف

اُس آفتِ جان کو کبھی پردہ اُٹھانا ہی نہ تھا — اک سمت عیسیٰ دم بخود غش میں ہیں موسیٰ اک طرف

ساقی بغیر احوال یہ پہونچا ہے میخانہ کا اب — جام اک طرف ہے سرنگوں۔ خالی ہے مینا اک طرف

یارب مفر اُس حُسن سے دل کو کسی جانب نہیں — ترچھی نگاہیں ایک سُو۔ زلفِ چلیپا اک طرف

وہ تیغ ٹیکے کہتے ہیں" دیکھوں تو حق پر کون ہے" — ہیں اک طرف شادؔ اک طرف۔ سارا زمانا اک طرف

واعظ بتوں کو تو نے کہا اہلِ زہد تک — اے بے خبر یہ بات پہونچی ہے دور تک

کیوں کر مٹے گی دل سے ندامت بتائیے — مانا کہ بخش دیں وہ ہمارے قصور تک

یہ خوف ہے کہ اُن کو غضب آ گیا تو پھر — شامل قصوروار کے ہیں بے قصور تک

تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں — کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

ہوں اُس کوچے کے ہر ذرہ سے آگاہ — اُدھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

نہیں اُٹھتے قدم کیوں جانبِ دیر — کسی مسجد میں بہکایا گیا ہوں

دلِ مضطر سے پوچھ اے رونقِ بزم — میں خود آیا نہیں، لایا گیا ہوں

سویرا ہے بہت اے شورِ محشر — ابھی بیکار اُٹھوایا گیا ہوں

ستایا آ کے پہروں آرزو نے — جو دم بھر آپ میں پایا گیا ہوں

نہ تھا میں معتقد اعجاز مے کا — بڑی مشکل سے منوایا گیا ہوں

لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے — بھری محفل سے اٹھوایا گیا ہوں

کجا میں اور کجا ای شاد دنیا — کہاں ہی کس جگہہ لایا گیا ہوں

تھکے ماندے لحد میں ہم تو مر رہنے کو آئے ہیں — فرشتے کہتے ہیں اٹھئے تو کچھ کہنے کو آئے ہیں

فلک دھر دھر کے پیسے یا گلا گھونٹے زمیں اپنا — یہ مجبوری رہیں گے ہم ابھی سہنے کو آئے ہیں

ہنسی آئے نہ کیونکر ناصح ناداں کی باتوں پر — یہ آنسو آنکھ میں تھمنے کو یا بہنے کو آئے ہیں

سرائے دہر میں ای روح اپنا جی نہیں لگتا — خدا جانے یہاں ہم کو دنوں رہنے کو آئے ہیں

کسی کا شاد کچھ مطلب کسی کی آرزو کچھ ہی — عدم سے ہم تو اس دنیا میں رہنے کو آئے ہیں

مری تلاش سے مل جا تو وہ تو ہی نہیں — اس امر خاص میں کچھ جائے گفتگو ہی نہیں

بسا ہوا ہی ترے پیرہن سے اپنا دماغ — ہزار پھولوں کو سونگھا کسی میں بو ہی نہیں

نیاز مند کو لازم ہی چشم تر رہنا — ادا نماز نہ ہوگی اگر وضو ہی نہیں

ٹھٹھر گئے مرے سینہ کے داغ پیری میں — کھلیں کہاں سے یہ غنچے کہ اب نمو ہی نہیں

گلے کے ساتھ ہوا قطع رشتۂ الفت — رہیں قریب وہ کس سے یہاں گلو ہی نہیں

عبث ہوں چشم سے خواہاں سرشک خونیں کا — بدن میں نام کو باقی کہیں لہو ہی نہیں

نہ آبرو کو کرو عشق میں شریک ای شاد — مضاف آب سے جائز کبھی وضو ہی نہیں

نہ بیتابی نہ بدخوابی کوئی تربت کے سونے میں — عجب آرام سے چپکے پڑے ہیں ایک کونے میں

وہ ایسا کون ہی ڈالے ہلاکت میں جو دل اپنا — میں خود روتا نہیں ناصح مزا ملتا ہی رونے میں

جہاں چاہو میسر ہے نہ میلا اور نہ کہنہ ہو ۔۔۔ خدا نے کیا شرف رکھا ہے مٹی کے بچھونے میں

ترے عاشق کو راحت مل چکی تدبیر لا حاصل ۔۔۔ شبیں کٹتی ہیں بے تابی میں دن کٹتے ہیں رونے میں

درِ مضموں کوئی یوں گوندھے اے شادؔ مشکل ہے ۔۔۔ سلیقہ انتہا کا چاہیئے موتی پرونے میں

ایسا نہیں کہ پہلے سے وہ جانتے نہیں ۔۔۔ کچھ عرض جب سے کی مجھے پہچانتے نہیں

جو کام بن پڑا وہ کیا ہم نے وقت پر ۔۔۔ پہلے سے دل میں بات کوئی ٹھانتے نہیں

آنکھیں بھی ہیں کہ روز ازل سے ہیں کور چشم ۔۔۔ کیسے بشر ہیں وہ جو تجھے مانتے نہیں

رندوں کا بھی خیال ہے ساقی کا بھی لحاظ ۔۔۔ پی لیتے ہیں اُٹھا کے کبھی چھانتے نہیں

اے شادؔ جن کے ساتھ زمانہ بسر کیا ۔۔۔ اللہ اب وہی مجھے پہچانتے نہیں

خزاں میں سوگوار باغ جب فریاد کرتے ہیں ۔۔۔ تڑپ جاتے ہیں ہم اپنی مصیبت یاد کرتے ہیں

تماشا ہے کہ دُکھ دینے کا بھی الزام ہے تجھ پر ۔۔۔ مزا یہ ہے کہ ہر دکھ میں تجھی کو یاد کرتے ہیں

ترے کشتہ نے پہنا ہے نیا خلعت شہادت کا ۔۔۔ فرشتے عرش پر شور مبارکباد کرتے ہیں

کتابِ عُمر ہے پیشِ نظر چشمِ تصور میں ۔۔۔ اُلٹتے ہیں ورق بھولے سبق کو یاد کرتے ہیں

نہ آئینہ کا قصہ اور نہ حال شانہ کہتے ہیں ۔۔۔ حقیقت میں جمالِ یار کا افسانہ کہتے ہیں

ازل سے اپنی گردن پر ہے احساں اپنے چلو کا ۔۔۔ خدا جانے کسے ساغر کسے پیمانہ کہتے ہیں

انھیں غزلوں پہ حال آتے ہیں میخانے میں رندوں کو ۔۔۔ انھیں شعروں کو میکش نعرۂ مستانہ کہتے ہیں

چھپاؤ لاکھ پر صورت پرستی سے نہیں خالی ۔۔۔ جو ہیں اہلِ نظر کعبہ کو بھی بتخانہ کہتے ہیں

تڑپنا ہے تو جاؤ جا کے تڑپو شادؔ خلوت میں ۔۔۔ بہت دن پر ہم اتنی بات گستاخانہ کہتے ہیں

الفت میں تری پاک ہر الزام سے ہم ہیں
دل پاس نہیں ہو تو کس آرام سے ہم ہیں

جس چیز کو کہتا ہو بُرا صبح کو واعظ
بوتل میں وہی چیز بھرے شام سے ہم ہیں

افراط سے پی جانے میں جو کچھ نہو کم ہو
شرمندہ بہت میکدۂ و جام سے ہم ہیں

ڈھونڈے سے نکالیں گے کسی روز پتا بھی
اتنا ہو کہ آگاہ ترے نام سے ہم ہیں

واعظ کو مذمت کے سوا کچھ نہیں آتا
واقف ترے مجموعۂ احکام سے ہم ہیں

برعکس تخلص ہو مگر **شاد** کریں کیا
مجبور ہیں مشہور اسی نام سے ہم ہیں

بیاں اپنی کشتی کا ہم کیا سُنائیں
غضب کے تھے طوفاں غضب کی ہوائیں

وہ شورش وہ موجوں کی شکلیں بھیانک
سُنے کون گرلاکھ ہم غل مچائیں

وہ غل رعد کا اور وہ گُھپ اندھیرا
نہ اس کا علاج اور نہ اُس کی دوائیں

نہ آنکھوں میں نور اور نہ طاقت دلوں میں
خطرناک چاروں طرف کی صدائیں

بہت سے پہاڑ آبِ دریا میں مخفی
یہ تختے ہیں بوسیدہ ٹھوکر نہ کھائیں

نہنگ اپنے مُنہ کو بصد شوق کھولے
کہ پائیں کسی کو تو لقمہ بنائیں

کہیں تم سے کیا حال اس بیکسی کا
تھکیں ڈھونڈھ کر ناخدا کو نہ پائیں

چلے جائیں بے تھاہ دریا کے اندر
ذرا بھی تلاطم میں گرڈ گمگائیں

یہ وحشت کہ ڈوبے نہ چکرا کے کشتی
اگر کچھ بھی ہاتھوں کو اپنے ہلائیں

بجز اس کے کیا ہو کہ سب مل کے مانگیں
بھروسا ہو جس کا اُسی سے دعائیں

کنارے لگی آکے اے **شاد** کشتی
اُترئے اُترئے کٹیں سب بلائیں

۱ اپنی ہستی کو غم و درد و مصیبت سمجھو — موت کی قید لگا دی ہے غنیمت سمجھو
تکیہ وعدہ پہ ہے سب چپکے پڑے ہیں تہہِ خاک — حشر کا دن جو نہ آیا تو قیامت سمجھو

---

۴۴ وہ سبق سیکھ کہ دل جس پہ نظر دوختہ ہے — گل و بلبل کی کہانی تو اب آموختہ ہے
اپنی ان آنکھوں میں کس طرح سے ٹھنڈک آئے — ہے ترے رنگِ بہار آتشِ افروختہ ہے
اس پہ بھی تیر اثر پنا نہیں جاتا اے صید — ٹانکے پلکوں میں ہیں پابستہ و پر دوختہ ہے
مضطرب یوں تو ہیں پردیس میں سب پردیسی — مطمئن ہے وہی جس پاس کچھ اندوختہ ہے
اے شبِ وصل بتا تکتے ہیں تارے کس کو — کس کے چہرے کی طرف چاند نظر دوختہ ہے

---

۴۵ دل سے جاتا ہے نکلی نہیں حسرت میری — عمر کہتی ہے کہ چپ ختم ہے مدت میری
یاد آئے گی جو خودداری و غیرت میری — لے گی مرنے پہ بلائیں شبِ فرقت میری
دیدنی تھا یہ سماں تیرے نکھرنے کی قسم — سکتہ آئینہ کا، جلوا ترا، حیرت میری
اے خزاں خوب مٹا پھر تو یہ پھول ابھریں گے — تیرے موسم کو پلٹ دے گی ریاضت میری
ڈھال بھی جام میں واعظ کو خبر کیا ساقی — میں شریعت کا شناسا ہوں شریعت میری
اے ز یادہ طلبی تو نے دکھائے یہ دن — گھڑکیاں سن کے بھی ساقی سے لجاجت میری
کون سمجھائے کہ وہ ظلم سے اب ہاتھ اٹھائیں — کس کی شامت کہ جو لے اپنے سر آفت میری
پھر بھی بچوں اس کوچہ میں گر پڑ کے وہیں مر جاؤں — کیا گلہ تھی یہی افتاد طبیعت میری
پردہ پوشانِ وطن تم سے تو یہ بھی نہ ہوا — ایک چادر کو ترستی رہی تربت میری
راستہ پوچھ کے دوں غیر کو تکلیفِ جواب — روک لیتی ہے مجھے اس سے بھی غیرت میری

جلوۂ حسنِ بتاں دھوکے کی ٹٹی سمجھو ۔۔۔ اک جھلک دیکھ کے رخصت ہوئی حیرت میری

موت پہونچا کے دبے پاؤں جہاں سے بھاگی ۔۔۔ اس خرابہ میں بنائی گئی تربت میری

جان تک دی نہ گیا بل مگر اس کافر کا ۔۔۔ کس کی ہوگی نہ ہوئی جب شبِ فرقت میری

پھر تو منہ ڈھانک کے اس در پہ پڑے رہنا ہے ۔۔۔ اک جھلک دیکھ لے اے صبحِ قیامت میری

بزم سے دور کیا شمع سحر کے مانند ۔۔۔ جب نہ دیکھی تری چتون نے ضرورت میری

یا خدا پھولیں پھلیں ہار چڑھانے والے ۔۔۔ روکش حجلۂ داماد ہے تربت میری

چھپ گیا عیب ترا جامۂ ہستی صد شکر ۔۔۔ مٹ کے پیوند زمیں ہو گئی تربت میری

آرزو شرم سے گردن کو جھکا لیتی ہے ۔۔۔ دور سے دیکھ کے ٹوٹی ہوئی تربت میری

ناوک افگن ہیں تری سمت وہ آنکھیں اے دل ۔۔۔ لے تری جیت ہے اب لڑ گئی قسمت میری

خیر سے صبح تو ہونے دے شبِ غم نہ جگا ۔۔۔ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھے گی قسمت میری

داوری گاہ قیامت میں مچے گی ہل چل ۔۔۔ قیس و فرہاد کے بعد آئی جو نوبت میری

پاؤں کی خاک ہیں یاں لاکھ بیاباں ایسے ۔۔۔ ایک صحرا کو لئے پھرتی ہے وحشت میری

اڑ کے خاکِ درِ اغیار جو آنکھوں میں پڑی ۔۔۔ رل گئی اور بھی مٹی میں بصیرت میری

میں وہ موتی ترے دامن میں ہوں اے خاک بہا ۔۔۔ آج تک دے نہ سکا ایک بھی قیمت میری

دیکھ لیں دور سے اٹھتی ہوئی موجیں پیراک ۔۔۔ شادؔ ذخّار سمندر ہے طبیعت میری

ہیچ ہے تیری ہی آنکھوں میں جو ہستی میری ۔۔۔ سب برابر ہے بلندی ہو کہ پستی میری

آخرِ بزم میں ساقی مجھے دیتا ہے شراب ۔۔۔ ہے یہ مطلب کہ نہ دیکھے کوئی مستی میری

کوئی جا گور غریباں سے نہیں اب خالی — لٹ کے آباد ہوئی جاتی ہے بستی میری
خم کے پہلو میں بچھاتا ہوں مصلّے نماز — ان دنوں زور پہ ہے بادہ پرستی میری
دل مضطر نہ اٹھاتا جو ترے کوچے سے — تیرے دیدار کو کیوں آنکھ ترستی میری
اک نگہ دل کی ہے قیمت تو تعجب نہ کرو — کچھ اسی پر نہیں ہر جنس ہے سستی میری
روک لیتا اسی کمزور کلائی سے پہاڑ — شاد تقدیر اگر مشک نہ کستی میری

۲۷

حیرت زدہ ہوں کیوں نہ جوانی سے چھوٹ کے — سب نقد مال لے گئی کم بخت لوٹ کے
اس حرص سے کہیں نہ ہو پیر مغاں ملول — میکش گرے ہی پڑتے ہیں شیشے پہ ٹوٹ کے
آپ اپنا پردہ پوش ہوا حُسن تو نہ کیوں — بھر دی خدا نے تجھ میں حیا کوٹ کوٹ کے
چالیں جو آسماں کی یہی ہیں تو دیکھنا — برپا اس آبلہ نے کیا حشر ٹوٹ کے
اوروں کی طرح گو نہیں ناصح پہ اعتبار — اک یہ بھی اپنے دوست سہی جھوٹ موٹ کے
واعظ نے مَے کی ہجو میں دریا بہا دیا — ہم بھی کہ رہ گئے یوں ہی چپ گھونٹ گھونٹ کے
نکلی شب فراق کی بیکار داستان — محفل میں شاد رونے لگے پھوٹ پھوٹ کے

مفردات

موج پیمانۂ تقدیر ہے گیسو تیرا — طاق میخانۂ توحید ہے ابرو تیرا

میں اپنے دل کا تماشائی قیس لیلےٰ کے ستانے کا — موحد تھا وہ اگلے وقت کا میں اس زمانے کا

دل کو اے یار سمجھ عاشق شیدا اپنا — دیکھ اس آئینہ میں بے پردہ تماشا اپنا

دل اس کشاکش دنیا سے مطمئن ہوگا　　بتا وہ کون مہینا وہ کون دن ہوگا

دل اس برس بہار میں جی سے گذر گیا　　پوری طرح جیا بھی نہ تھا میں کہ مر گیا

حقوق غیرت الفت کو پائمال نہ کر　　سوائے ترک سوال اور کچھ سوال نہ کر

نکل کے روح یوں پہونچ گئی تیرے آستانے پر　　کماں سے چھٹ کے جیسے تیر جاتا ہے نشانے پر

جرس ہے کیا در و دیوار کہہ رہے ہیں یوں　　کہ وقت کوچ ہے زاد سفر مہیا کر

ہم اور سیر لالہ و گل ہجر یار میں　　کیسی بہار آگ لگا دو بہار میں

قابل بیاں کے ہجر کی روداد بھی نہیں　　سچ پوچھتے ہیں آپ تو اب یاد بھی نہیں

رسوائیاں غضب کی ہوئیں تیری راہ میں　　حد ہے کہ خود ذلیل ہوں اپنی نگاہ میں

فنا کے بعد لحد پر وہ آ کے روتے ہیں　　کہاں کی چھیڑ نکالی ہے کہہ دو سوتے ہیں

نظر آتی ہیں لاکھوں مختلف شکلیں مرے دل میں　　یہ اک چھوٹا سا آئینہ لگا ہے صدر محفل میں

نہ کہیں صاف مگر آپ کے شیدا سب ہیں　　اس میں دنیا طلب اور تارک دنیا سب ہیں

جس دن سے آ کے اس دل ویراں میں بس گئیں　　عالم کی سیر کو بھی امیدیں ترس گئیں

عمر بھر سہتے ہیں کس طرح جفا کیا جانیں　　مرنے والے ترے مرنے کے سوا کیا جانیں

ان کو اسی سے شوق ہے ظلم کریں جفا کریں　　یاں ہے خموشیوں سے کام یہ نہ کریں تو کیا کریں

سینہ ہے ہم سے داغ داغ پہلو و دل فگار ہیں　　میری تو اصل کیا بھلا مجھ سے یہاں ہزار ہیں

بپا ہے غم تن و جاں کی ہے رخصت آپس میں　　گلے سے ملتے ہیں امید و حسرت آپس میں

جھکے پا خم کی طرف جھک نہ جا کہ مست نہیں　　خلوص دل سے وہ میخوار مے پرست نہیں

ای آہ کچھ کہ بزم میں ہم بار پا سکیں		اتنا تو ہو کہ یار کو صورت دکھا سکیں

کیا جانیں کس چمن میں تھے ہم صفیر ہیں		ہم آپ مدتوں سے قفس میں اسیر ہیں

دل گیا سینے سے جب اپنے تو آزادی کہاں		جس کا مالک مر گیا اُس گھر میں پھر شادی کہاں

ہم زباں اپنا وہ کافر نہ ہوا امکاں نہیں		کلمہ پڑھوا کے نہ اُٹھوں تو مسلماں نہیں

نعمت ہیں حسرتیں جو دلا انتہا کی ہیں		آخر نشانیاں یہ کسی آشنا کی ہیں

نکلنے کو نکل آئے منہ سے اے دل کیا کریں آخر		گھٹا کر طول شب کو صبح کر دیں کیا خدا ہم ہیں؟

کترا کے نکل جائیں وہ گور غریباں سے		کیوں اے کشش اُلفت ہم دیکھ کے رہ جائیں؟

ہجر کی آئی سحر ہم غم رسیدہ جل گئے		کیا نسیم صبح کی جھونکوں میں تھیں چنگاریاں؟

جو تمہیں بانی بیداد گری کہتے ہیں		لوگ راضی ہوں کہ ناراض کھری کہتے ہیں

ہے عطا تری ہے کرم ترا وہ ستم کہ جس میں دوام ہو		اگر اس میں کوئی کلام ہو تو بہشت مجھ پہ حرام ہو

جب میں کہتا ہوں گوارا مری ذلت نہ کرو		وہ یہ کہتے ہیں کہ تم ہم سے محبت نہ کرو

جہاں میں کیوں نہ محبت کا نام مجھ سے ہو		گناہ غیر کریں انتقام مجھ سے ہو

یہ سب درست کہ تم بت بھی ہو خدا بھی ہو		مگر نیاز کے قابل یہ دل رہا بھی ہو

شب غم میں کیا ہی ضبط کیا کیا دل نے نالے کو		حیا میں فرد تھا اللہ بخشے مرنے والے کو

مکتب میں عاشقی کے پہلا یہی سبق ہے		جو میں کہوں وہ باطل جو تو کہے وہ حق ہے

بعد تیرے اپنے مر جانے سے ڈرنا جہل ہو		میں ترے مرنے کے صدقے اب تو مرنا سہل ہو